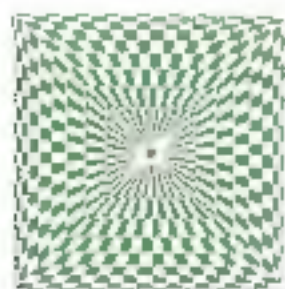


حضرت امیر معاویہؓ
دشمنوں اور دوستوں کے ترغیبیں

تالیف
ملک محمد اکرم اعوان مدظلہ



ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دارالعرفان منار ضلع چکوال

حضرت امیر معاویہ

{ دشمنوں اور دوستوں
کے زغغے میں }

تالیف
ملک محمد اکرم اعوان ^{مدظلہ}



ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دارالعرفان منار ضلع چکوال



تعداد	_____	بارہ سو (بار سوئم)
پبلشر	_____	سنگ محمد اکرم اعوان
پرنٹر	_____	
پریس	_____	
مکتب	_____	علاؤ الدین سلیمی

قیمت: 35 روپے



فہرست مضامین

- ۱۔ تعارف ۳
- ۲۔ کتاب اور اصحاب رسول اللہ ۱۵
- ۳۔ کلام رسول اللہ اور مقام امیر معاویہؓ ۲۲
- ۴۔ صلحائے امت اور امیر معاویہؓ ۳۱
- ۵۔ خال المؤمنین ۳۵
- ۶۔ کاتب الوحی ۳۷
- ۷۔ کیا غیر مومن کاتب الوحی ہو سکتا ہے۔ ۴۸
- ۸۔ امیر معاویہؓ اور خاندان نبوت سے حسن سلوک ۵۳
- ۹۔ جنگ صفین۔ ۵۶
- ۱۰۔ امیر معاویہؓ اور حضرت حسنؓ کی صلح۔ ۹۹
- ۱۱۔ سیرت امیر معاویہؓ ایک نظریں۔ ۱۱۷

تعارف

تاریخ کیا ہے؟ قوموں کے افکار و نظریات افعال و اعمال کا ریکارڈ ہے۔ اقوام عالم کے سُردج و زوال کی ایک مربوط اور مسلسل داستان ہے۔ قوموں کے ماضی کا ایک آئینہ جس میں کوئی قوم اپنے کردار کے خط و خال کو دیکھ کر حقائق کو محض فکر یہ بناتی اور مستقبل کی تعمیر کے لئے خاکے تیار کرتی ہے۔ اور اپنے فکر و عمل سے اُن خاکوں میں رنگ بھرنا شروع کرتی ہے۔

اقوام عالم کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہر قوم کی زندگی کا وہ دور ایک معیاری اور مثالی دور ہوتا ہے۔ جب کوئی لیڈر قوم کو انقلابی صحیح فکر دے کر اُس میں جذبہ عمل پیدا کرتا ہے۔ پھر اپنے معیاری اور انقلابی پروگرام کے مطابق قوم کے افراد کی خود تربیت کرتا ہے۔ اور دنیا کا کامیاب ترین انقلابی لیڈر وہ ہوتا ہے۔ جو افراد قوم کی تربیت کر کے ایک مثالی معاشرہ لیڈر عملاً قائم کر دے۔ جس کی فکری جڑیں افراد کے دل و دماغ کی گہرائیوں میں پیوست ہوں۔ اور عملی برگ و باد زندگی کے ہر شعبے میں نمایاں نظر آئیں۔ یہ مثالی دور عموماً ابتدائی

دور ہوتا ہے۔ اور اُس میں قوم کو بے پناہ قُربانیاں پیش کرنا پڑتی ہیں۔ اپنے دیرینہ نظریات و افکار کی قربانی، اپنی پسند و ناپسند کے معیار کی قربانی اپنے روابط و تعلقات کی قربانی، عزیز ترین مفاد و عزیز ترین منافع سے دستبردار ہونے کی قربانی حتیٰ کہ اپنی جان کی قربانی بھی پیش کرنی ہوتی ہے۔ بلکہ اُس قربانی پر قوم کو ہمیشہ فخر محسوس ہوتا ہے۔ اور یہی قربانی قومی زندگی کی مسارت کے لئے مستحکم بنیاد بنتی ہے۔ بلکہ یوں کہتے۔ کہ یہ قُربانی دراصل وہ رُوح حیات اور وہ خون ہوتا ہے۔ جو قوم کی رگوں میں گردش کر کے اُسے زندہ رکھنے کا سبب بنتا ہے۔ خوب کہا ایک عارف نے ہے

جو دیکھی مہٹری اس بات کا کامل یقین آیا

جنہیں مرنا نہیں آیا انہیں جینا نہیں آیا

اس حقیقت کو دنیا کی ہر قوم نے محسوس کیا۔ اور اس کا اعتراف کیا نہیں۔ بلکہ اس پر فخر کا اظہار کیا۔ کہ اس کی زندگی کے اُس دور کا ہر فرد جس نے براہِ راست انقلابی لیڈر سے تربیت حاصل کی۔ واقعی قومی ہیرو کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا اعتراف اور احساس ہونا ایک فطری امر ہے۔ اور خالق فطرت انسانی نے خود اُس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ارشاد ہے :-

الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَدُوا وَجَاهَدُوا
فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ
أَعْظَمَ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ وَأُولَٰئِكَ

هُمْ الْفَائِزُونَ (۲۰: ۱۹)

جو لوگ ایمان لائے۔ اور گھر
بار چھوڑے۔ اور اللہ کی راہ
میں جان و مال سے جہاد کیا۔ اللہ
کے نزدیک اُن کا درجہ نہایت

بلند ہے۔

اللہ کے نزدیک درجہ بلند ہونا اُن کے کمال کا ایک پہلو ہے۔ جس سے اُن کے اعمال کی عند اللہ قبولیت کا اظہار ہوتا ہے۔ دوسرا پہلو وہ ہے۔ جو اس امر کا اعلان ہے۔ کہ اس برگزیدہ راہنما کے براہ راست تربیت یافتہ افراد آنے والی نسلوں کے لئے روشنی کا مینار ہے۔ اور عملی زندگی کا بہترین نمونہ ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے :-

وَالشَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ	جن لوگوں نے ہجرت میں پہل کی۔
الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ	اور جن لوگوں نے اُن مہاجرین
اتَّبَعُوا صِدْقَ إِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ	کی دینی نصرت کی۔ اور جن لوگوں
عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ	نے ان دونوں گروہوں کا دل و جان
جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ	سے اتباع کیا۔ اللہ اُن سے راضی
خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ	ہوا۔ اور وہ اللہ سے خوش
الْعَظِيمُ (۱۰۰: ۲۹) ط	ہوئے اور اللہ نے اُن کے لئے

ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں۔ جن میں نہریں جاری ہیں۔ یہ لوگ اُن میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہی تو سب سے بڑی کامیابی ہے۔

ظاہر ہے۔ کہ قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے اس عظیم مرتبہ کے تربیت یافتہ افراد کو واجب الاتباع قرار دے کر اس اتباع کے ساتھ احسان کی قیید بھی لگا دی۔ کہ یہ اتباع محض ضابطے کی کاروائی نہ ہو۔ بلکہ اُن کی پیروی ہو۔ تو دل و جان سے ہو۔

خالق کے اس عظیم نمائندے نے اپنے خالق کے اُس اعلان کو اپنے الفاظ میں یوں ادا فرمایا۔ کہ :-

ان الناس لكم تبع وان رجلاً
يا تونكم من اقطار الارض
يتفقون في الدين فاذا اتوكم
فاستوا صوابهم خيراً رواه
الترمذی . عن ابی سعید الخدری
کریں گے۔ تو جب لوگ صحیح طلب لے کر تمہارے پاس آئیں۔ تو ان کی
خوب راہ نمائی کرنا۔

کیسا واضح اعلان ہے۔ کہ دین کا فہم حاصل کرنے کے لئے لوگ
قیامت تک تمہارے محتاج ہوں گے۔ اور دین پر عمل کرنے کے لئے
معیاری صورت وہی ہے۔ جو میں نے تمہیں سکھائی۔ لہذا لوگ اس پہلو
میں بھی تمہارے محتاج ہوں گے۔

یعنی دینی علم و عمل کے معلم بھی تم لوگ ہو۔ اور عملی زندگی میں
صحیح راہ نمائی بھی تمہی سے ملے گی :

حافظ ابن عبد البر رحمہ نے کیا خوب فرمایا ہے :- کہ

انما العلم ما جاء من
اصحاب محمد صلی اللہ علیہ
وسلم وما ليس منكم هو
ليس بعلم
یعنی صحیح علم وہ ہے۔ جو
اصحاب رسول سے حاصل کیا
جائے۔ کیونکہ یہ لوگ اس معلم
اور مربی کے براہ راست

مخبر گرد اور تربیت یافتہ ہیں۔ جیسے آدم زاد کو انسان بننے کا سلیقہ

پکھانے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ ان کی راہ نمائی سے انکار کرتا دراصل اس

عظیم معلم کی تعلیم و تربیت سے انکار کے مترادف ہے۔ جس سے برہنہ
 کر کے انسان احسن التعمیم کے مقام سے گر کر اسفل السافلین میں جا پہنچتا
 ہے :

یہ ایک ایسی ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ایک غیر مسلم اور متعصب
 مؤرخ بھی اس کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکا۔ کہتا ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ
 علیہ وسلم نے اپنی تعلیم و تربیت سے ایسا انقلاب پیدا کیا۔ کہ

STERILE ARABIA SEEMS TO BE CONVERTED

AS IF BY MAGIC INTO THE NURSERY OF

HEROES THE LIKE OF WHOM BOTH IN

NUMBER AND QUALITY IS HARD TO FIND

ANYWHERE — HITTITE

یہ تھا تصویر کا ایک رخ بلکہ حقیقی رخ۔ اس کا دوسرا رخ یہ ہے۔
 کہ نادان قوم کے ساتھ پوری انسانی تاریخ میں پہلی اور غالباً آخری
 مرتبہ یہ المیہ پیش آیا۔ کہ کچھ افراد نے اُسے مقصد حیات بنا لیا۔
 کہ اس عظیم محسن انسانیت کے تربیت یافتہ افراد کو قوم کیا دنیا کے
 پست ترین اور سب سے زیادہ نیچے انسان ثابت کیا جائے نادانوں
 نے یہ نہ سمجھا۔ کہ یہ کوشش دراصل اس عظیم راہ نما کو ناکام ثابت
 کرنے اور اس کی تربیت کو ناقص ترین قرار دینے کی بے جا جسارت ہے
 جس کی تربیت کا نقشہ اہل بصیرت نے ان الفاسط میں کھینچا ہے۔

دُرُفِشانی نے تری قطروں کو دریا کر دیا

دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

سوال یہ ہے۔ کہ اس اجمعتانہ کاروائی میں اُس قوم نے اولیت کا درجہ
حاصل کرنے کی کوشش کیوں کی۔ اس سوال کا جواب تاریخ کے ذخیرہ
سے تلاش کیا جائے۔ تو کچھ اس طرح محسوس ہوتا ہے۔ کہ خدا نے
ایک وعدہ فرمایا تھا۔ کہ یٰٰنظرہ علی الدین کلہ۔ تو اس وعدہ
کے پورا ہونے کی دو صورتیں دنیا کے سامنے آئیں۔ جہاں تک علمی استدلال
اور عقلی دلائل کا تعلق ہے۔ اللہ کے رسول نے اللہ کی کتاب کے
الفاظ اور اس کے مفہوم کے ذریعے تمام ادیان عالم کو دلیل کے میدان
میں مغلوب کر دیا۔ اور جہاں تک اظہار دین کے عملی پہلو کا تعلق ہے۔ اس
عظیم معلم کے براہِ راست شاگردوں نے دنیا کے بہترین جرنیل اور کامیاب
ترین حکمران کی صورت میں اپنے آپ کو پیش کیا۔ اور دین کو عملاً غالب کر
کے دکھا دیا۔ یعنی باطل نے خواہ کسی شکل میں ہو۔ استدلال اور اقتدار
دونوں میدانوں میں اس بڑی طرح شکست کھائی۔ کہ پھر سر اٹھانے
کی کوئی امید نظر نہ آتی تھی۔ چنانچہ باطل نے ردِ داد و مقابلہ کرنے کی
ہمت نہ پا کر نقب زنی کا منصوبہ بنایا۔ اس کام میں سب سے زیادہ
پیش پیش وہ قوم تھی۔ جسے اُس سے پہلے اپنی علمی اور نسلی برتری
کا دعویٰ تھا۔ اور یہ دعویٰ عملاً منوالیا گیا تھا۔ اور یہ تھے یہود جنہیں
اسلام کی تربیت اور برتری ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ مگر اپنی کم ہمتی
کی وجہ سے صرف نقب لگانے پر اپنی توجہ مرکوز کر دی ۛ
اُن کا طریق واردات جو تاریخ سے نظر آتا ہے۔ یہ تھا۔ کہ :-

۱۔: بظاہر اسلام قبول کر کے اپنے آپ کو مسلمان قوم کا ایک فرد تسلیم کرالو ۛ

۲۔: اللہ تعالیٰ کے آخری رسولؐ نے ۲۳ برس کی محنت شاقہ سے جو معاشرہ تیار کیا۔ اُس کو دو حصوں میں تقسیم کر دو ۛ

۳۔: ایک حصہ کے ساتھ اپنی عقیدت اور محبت میں اتنا غلو ظاہر کرو۔ کہ وہ پیچ و پلچ کی محبت معلوم ہونے لگے ۛ

۴۔: دوسرے حصے کو اُس گروہ کا دشمن ثابت کرنے شروع کر دو۔ جس کے ساتھ تم نے عقیدت و محبت کا اظہار کیا ہے ۛ

۵۔: حقائق اُس سازش کی تائید نہیں کریں گے۔ لہذا حقائق پر پردہ یوں ڈالو۔ کہ جس گروہ سے عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ اُس کو

ایسا بے بس ثابت کر دو۔ کہ وہ عمر بھر حق کا ایک کلمہ بھی زبان سے نہ نکال سکے۔ مگر یہ تو بزدلی کے علاوہ کتمان حق بھی ہے۔ جو

بجائے خود بہت بڑا جرم ہے۔ تو اُس کے لئے تفتیہ کی اصطلاح وضع کر دو۔ پھر تفتیہ کی اہمیت کا ایسا پرچار کرو۔ کہ معاملہ یہاں

تک پہنچ جائے۔ کہ ہر حصہ دین صرف تفتیہ میں ہے یعنی ہر حصہ سے بے فکر ہو جاؤ۔ اور جھوٹ کو اوڑھنا۔ سمجھنا پنا کو منہ منہ ہو

جاؤ۔ کہ دین غالب ہو رہا ہے۔

جس گروہ کو اس "محبوب" گروہ کا دشمن ظاہر کیا گیا۔ اُن کی دینی خدمات ایسے حقائق تھے۔ کہ اُن کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا اُس

کی صورت یہ بنائی۔ کہ سب دکھاوے کی چیزیں ہیں۔ اُن کے اندر ایمان نہیں۔ اور اُس کے لئے نفاق کی اصطلاح وضع کی گئی۔ دونوں کا

نتیجہ یہ نکلا۔ کہ دونوں گروہ ہیں تو جھوٹے صرف فرق اتنا ہے۔ کہ ایک گروہ کے جھوٹ کا نام تقیتہ ہے۔ دوسرے گروہ کے جھوٹ کا نام نفاق ہے۔ اُس طریق واردات کا اثر دیکھئے۔ کہ بظاہر نہ اسلام کو نشانہ بنایا گیا ہے۔ اور نہ ہی داعی اسلام کو۔ مگر درحقیقت یہ ثابت کیا گیا ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶۳ برس میں صرف ایک جھوٹوں کی جماعت تیار کی۔ اُس عرصہ میں ایک آدمی بھی آپ نے ایسا تیار نہیں کیا۔ جو سچا ہو۔ اور سچ بات جرات سے کہہ سکے۔ حتیٰ کہ آپ کے تمام تربیت یافتہ افراد یقیناً ناقابل اعتماد تھے :

۶۔ اُس یہودی نقب زنی کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ اس اُمت کا ایک گروہ اُس جماعت کا مخالف ہو گیا : جسے یہود نے اپنی سازش سے اپنی محبوب جماعت قرار دیا تھا۔ اور اُس گروہ نے اس جماعت کو ناقابل اعتماد قرار دیا کہ اُس کے خلاف عدم اعتماد کا ووٹ دے دیا۔ اُس گروہ کو خوار ج کہتے ہیں :

(۷) اس اُمت میں سے ایک گروہ اور وجود میں آیا۔ جو صحابہؓ کی اس جماعت کا مخالف ہو گیا۔ جسے یہودی سازش نے پہلے گروہ کا مخالف اور ظالم ظاہر کیا تھا۔ اُس گروہ نے صحابہؓ کی اُس عظیم جماعت کے ایمان سے بھی انکار کر دیا۔ اور انہیں بدنام کرنے کی ذریعہ زمین مہم چلا دی۔ اس دوسرے کا نام روافض یا شیعوہ ہے۔

۸۔ بظاہر یہ دو جماعتیں ہو گئیں۔ مگر ان دونوں کے عقائد اور نظریات کا مجموعہ ما حاصل یہ ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تیار کردہ جماعت قابل اعتماد نہیں :

۹۔ اُس کا لازمی اور منطقی نتیجہ یہ نکلا۔ کہ دین اسلام قابلِ اعتماد نہیں۔ کیونکہ دین اسلام تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا۔ آپ کی نبوت اور دین کے عینی شاہد صحابہ کی جماعت ہی تھے اور چونکہ وہ جماعت ناقابلِ اعتبار ثابت ہو چکی ہے۔ کیونکہ وہ سب جھوٹے ہیں۔ لہذا جو دین انہوں نے نقل کر کے پہنچایا۔ وہ کہاں قابلِ اعتماد رہا۔ اللہ کی آخری کتاب جو اُن لوگوں نے نقل کر کے پھیلائی۔ اس کے متعلق کیا ضمانت ہے۔ کہ واقعی وہ اللہ کی کتاب ہے یا

گویا یہود کی یہ سازش کامیاب ہو گئی۔ کہ صحابہ سے اعتماد اٹھا۔ تو اللہ کی کتاب سے اعتماد اٹھ گیا۔ جب آسمانی کتاب ناقابلِ اعتماد ثابت ہوئی۔ تو آسمانی دین

کہاں اس قابل ہے۔ کہ اس کو دین حق سمجھا جائے :

۱۰۔ دین حق کو حاکمانہ حیثیت دے کر جن حضرات نے اُسے غالب کیا۔ اور فتوحات کا دائرہ وسیع کیا۔ وہ خلفائے ثلاثہ تھے۔ اور اسلامی معاشرہ کی ترقی اور اسلامی حکومت کی وسعت کو جس شخص نے معراج تک پہنچایا۔ وہ حضرت امیر معاویہ تھے۔ لہذا روافض کی نادان جماعت نے ان چارہ حضرات کو بالخصوص ہدفِ ملامت بنایا۔ بلکہ حضرت امیر معاویہ سے اعتماد کا اٹھ جانا گویا تشیع کا دروازہ کھل جانا ہے۔ اور اس دروازہ کو کھولنے کے لئے اتنا پروپیگنڈا کیا گیا۔ کہ غیر شیعہ بھی حضرت امیر معاویہ کی شخصیت کے متعلق تردد کا شکار ہو گئے۔ اس معاملے میں وہی

ٹیکنیک استعمال کی گئی۔ جو یورپ کی سیاست میں مُسلمہ ہے۔ کہ
جھوٹ بولو۔ بار بار بولو۔ کثرت سے بولو۔ پورے اعتماد سے بولو۔
حتیٰ کہ وہ سچ نظر آنے لگے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ تاریخ نے اس پہلو میں کیا کردار ادا
کیا۔ اس سوال کا جواب معلوم کرنے کے لئے ایک مثال پر غور کریں۔ اپنے
ملک کی گزشتہ آٹھ دسٹس سال کی تاریخ رکھنے کا کام اگر تین مختلف آدمی
اپنے ذمہ لے لیں۔ مثلاً ایڈیٹر "مساوات" اُس عرصے کی تاریخ رکھے۔
پھر ایڈیٹر "نوائے وقت" رکھے۔ اور پھر ایڈیٹر "اردو ڈائجسٹ" اس
عرصے کے حالات رکھے۔ تو سوچئے۔ کیا وہ ایک ہی قسم کی تاریخ ہوگی؟
کیا یہ حقیقت نہیں ہے۔ کہ اُن میں سے ایک مؤرخ اُس دور کو دور
ظلمت، ظلم تعدی، لاقانونیت، بے حیاٹی اور فحاشی کا دور
ٹھہرا دے گا۔ دوسرا مؤرخ سنہری زمانہ ثابت کرے، تیسرا مؤرخ اُسے
دھندلکا بنا کے پیش کرے گا۔ آج سے سو سال بعد اُن تینوں میں سے
جو تاریخ باقی رہ جائے گی۔ بس اسی کو پڑھ کے اُس دور کے متعلق ذاتی
رائے قائم کی جائے گی؟

بس اسی مثال کو سامنے رکھیں۔ تو آپ کو قدیم ترین اسلامی تاریخ
کی کتابوں میں راویوں کے نام کے ضمنی میں ابو مخنف لوط بن یحییٰ، اور
ابو سعید، ہشام، کلبی کے نام بھی گئے۔ مؤرخین نے زیادہ تر انہی راویوں
کی روایات لی ہیں۔ اور بغیر کسی تنقید کے انہیں درج کر دیا ہے۔
صحابہ کے طعن کے متعلق کوئی روایت لے لیجئے۔ آپ کو اس کا راوی
لاذناؤ ہی نکلے گا۔ جو تفسیر کو کامل ترین عبادت سمجھتا ہے۔ پھر مؤرخین

میں مسعودی، یعقوبی، واقعدی، اور سیف بن عمر عراقی، محمد ابن اسحاق صاحب مغازی ہیں۔ یہ سب حضرات اس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو تقیہ کو بڑھتہ دین سمجھتے ہیں۔ اور صحابہ کی اس عظیم جماعت کو ظالم، غاصب اور خارج از ایمان سمجھتے ہیں۔ جنہوں نے پوری دنیا کو ایمان کی دولت سے مالا مال کیا۔ اب کوئی ذی ہوش انسان تصور کر سکتا ہے کہ اس عقیدے کا آدمی دین کے کسی خادم کے متعلق کلمہ حیر زبان و قلم سے نکال سکتا ہے۔ ان بدادلوں اور بوڑھوں کے مسلمانوں جیسے ناموں سے دھوکا کھا کر اچھے اچھے پڑھے لکھے لوگ ان کی سوایتوں پر یقین کر لیتے ہیں۔ اور اللہ کے رسول کے براہ راست تربیت یافتہ حضرات کے متعلق اپنے دلوں میں بدگمانی کو جگہ دینے سے نہ عار سمجھتے ہیں۔ نہ جھجک محسوس کرتے ہیں :

اس مقام پر پہنچ کر آدمی اپنے آپ کو ایسے بھنور میں گھرا ہوا محسوس کرتا ہے۔ جس سے نکلنے کی بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ لیکن ذرا غور کیا جائے۔ تو اس کی صورت بھی موجود ہے :

اس کی سب سے پہلی صورت یہ ہے۔ کہ انسان یہ سمجھ لے۔ کہ صحابہ کا زمانہ نزول قرآن کا زمانہ تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس موجود تھی۔ کوئی مشکل پیش آتی۔ تو اس کا حل آسمان سے نازل ہوتا تھا۔ کوئی لغزش ہوتی۔ تو وحی کے ذریعے سہارا ملتا تھا۔ کوئی ٹھوکر لگتی۔ تو جبرائیل کے ذریعہ دستگیری کا سامان پہنچ جاتا تھا۔ اس امر کا امکان ہی نہیں تھا۔ کہ وحی کا نزول بھی ہو رہا ہو۔ اور کوئی علمی یا عملی صورت باقی رہتے جائے۔ جو اللہ و رسول کو پسند نہ ہو۔ اور کوئی غلطی قائم رکھی

جائے۔ جس کی اصلاح نہ کی جائے۔ اس لئے صحابہ کی تاریخ کو سب سے پہلے قرآن حکیم سے معلوم کرنا چاہیئے۔ پھر ان عظیم مربی اور معلم کے اقوال سے صحابہ کے حالات ڈھونڈے۔ جس نے خود یہ جماعت تیار کی تھی۔ پھر صورت یہ ہے۔ روایات اور مؤرخین کی روایات کو اصول روایت و درایت کے تحت پرکھا جائے۔ اور اس غلط فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ تاریخ میں اصول روایت و درایت کا کیا کام۔ بس مؤرخ پر اعتماد کر لیا جائیئے کیونکہ صحابہ کی ذات ابن عام تاریخی شخصیتوں کی طرح نہیں۔ جو سیاست حکومت اور فتوحات میں نام پیدا کر گئے۔ بلکہ صحابہ تو بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن کے نزول اور قرآن کے الفاظ کی عملی تعبیر کا نمونہ ہیں۔ اس لئے اس معاملہ میں خاص احتیاط کی ضرورت ہے۔ اب ہم کچھ اسی ترتیب سے حضرت امیر معاویہؓ کے حالات بیان کرتے ہیں :

کتاب اور اصحاب رسول اللہ (۱)

قرآن کریم میں صحابہ کرامؓ کے اوصاف مختلف مقامات پر مختلف اسلوب بیان استعمال کر کے بیان فرمائے گئے ہیں۔ مثلاً:-

۱:- لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتِلَ
أُولَٰئِكَ أَطْعَمَ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدِ وَقَاتِلُوا
وَكَلَّا وَعَدَ اللَّهُ الْحَسَنَىٰ (۱۰:۶۵)

تم میں سے جس شخص نے فتح مکہ سے پہلے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کیا۔ اور جنگ کی۔ اُس کے برابر کوئی نہیں۔ یہ لوگ اُن کے مقابلے میں بہت بلند درجہ کے ہیں۔ جنہوں نے فتح مکہ کے بعد اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کیا۔ اور جنگ کی۔ ہاں دونوں فریقوں کے ساتھ اللہ کا وعدہ ہے۔ کہ وہ جنتی ہیں۔“

اس آیت سے ظاہر ہے کہ قبولیت، عظمت اور فضیلت کے اعتبار سے صحابہ کرامؓ کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پھر اُن کا تقابل کیا ہے۔ کہ جن صحابہ کرامؓ نے فتح مکہ سے پہلے مالی اور جانی قربانیاں دیں کی خاطر دی ہیں۔ وہ اُن سے افضل ہیں۔ جنہوں نے فتح مکہ کے بعد ہی قربانیاں دی ہیں۔ اس تقابل سے قطع نظر جہاں تک اُن میں قدر مشترک کا تعلق ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ دونوں فریق اللہ تعالیٰ کے انعامات کے مستحق ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اُن سے وعدہ فرمایا ہے۔ اس آیت سے

اصولی طور پر معلوم ہوا۔ کہ تمام صحابہؓ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ دوسرے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے وکلا وعد اللہ الحسنیٰ کا اطلاق اُن کی ذات پر بھی ہوتا ہے :

ایک منظرہ میں مولوی فیض محمد صاحب شیعہ مناظر نے اعتراض کیا۔ کہ آیت میں امیر معاویہ کا نام نہیں۔ گو یہ سوال طفلانہ نہیں بلکہ جاہلانہ تھا۔ مگر آخر سوال تو تھا۔ لہذا جواب دیا گیا کہ آپ پہلے گروہ میں حضرت علیؓ اور تین صحابہؓ کو کس دلیل سے شامل کرتے ہیں۔ اُن کے نام آیت میں کہاں ہیں۔ جس دلیل کا سہارا آپ وہاں لیتے ہیں اسی دلیل سے حضرت امیر معاویہؓ بھی آیت کے مصداق میں داخل ہیں۔

قرآن کریم کا اسلوب یہ ہے۔ کہ صحابہ کے اوصاف بیان کیا کرتا ہے۔ کبھی وہ اوصاف ایسے ہوتے ہیں۔ جو تمام صحابہؓ میں پائے جاتے ہیں۔ اس آیت میں بیان ہوا۔ اور کبھی یوں بھی ہوتا ہے۔ کہ کسی وصف کا اطلاق کسی خاص صحابی کی ذات پر ہوتا ہے۔ مثلاً :-

اور کسی جان کو ناحق قتل نہ کرو۔ اور جو ظلم سے قتل کیا گیا۔ تو ہم نے اُس کے وارث کو غلبہ ظاہر دے دیا۔ سواب قتل میں دست درازی نہ	وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ الْبَاطِلَ بِالْحَقِّ وَمَنْ قَتَلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلِيهِ سُلْطَانًا فَلَا يَسْرِفْ فِي الْقَتْلِ إِنَّهُ كَانَ مَنْصُورًا ۝
--	---

(۳۳: ۱۷)

کرے۔ یقیناً مقتول کا ولی خدا کی طرف سے مدد یافتہ ہے۔

اس آیت سے چند اصول معلوم ہوئے :-

۱- مظلوم مقتول کے ولی کے لئے غلبہ مقدر ہے :

۲- ولی مقتول کا تا صر و مددگار خود اللہ تعالیٰ ہے :

یعنی ولی مقتول مظلوم کے لئے اللہ کی طرف مدد اور اس مدد کی وجہ سے اُسے غلبہ اس آیت سے ثابت ہو گیا :

امام ابن کثیر رحم نے محدث طبرانی سے اس آیت کی تفسیر نقل کی ہے

عن زهدام الجرحی قال کنا فی سدا بن عباس فقال اتی محدثکم بحديث ليس بسیر ولا علانية انه لما كان من امر هذا الرجل ای عثمان قلت لعلی رضى اعتزل فلو كنت فی حجة طلبت حتی تستخرج فعصانی وایم الله لیتا مدن علیکم معادیة و ذالک ان الله تعالى يقول ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیه سلطانا وقد اخذ الامام الحیدر ابن عباس من عموم هذه الایة الکدیمة ولایة معادیة السلطنة انه سیملك لانه کان ولی عثمان وقد قتل مظلوما ۛ

” زہرم جرحی کہتا ہے۔ کہ ہم ابن عباسؓ کے ساتھ بات چیت کر رہے تھے۔ کہ فرمایا۔ میں تمہیں ایک حدیث سناتا ہوں۔ جو نہ تو مخفی ہے اور نہ ظاہر۔ وہ یہ کہ قتل عثمانؓ کے واقعہ کے بعد میں نے حضرت علیؓ سے کہا۔ آپ علیؓ رہ ہو جائیں (حکومت سے) ورنہ آپ کسی غار میں بھی ہوئے تو آپ سے قتل عثمانؓ کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اور آپ کو اس غار سے باہر نکال لایا جائے گا۔ حضرت علیؓ نے

میرا بات نہ مانی۔ اور خدا کی قسم حضرت امیر معاویہؓ تم پر ضرور حکومت کریں گے۔ کیونکہ قرآن میں خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ کہ ظلمت جو مقتول

ہوا۔ اُس کے ولی کو ہم نے غلبہ دیا ہے ۛ

اور حضرت امیر معاویہ چونکہ حضرت عثمانؓ کے ولی ہیں۔ اور حضرت عثمانؓ ظلماً قتل ہوئے ہیں۔ اس آیت کے موم سے ابن عباسؓ نے حضرت امیر معاویہ کی ولایت و سلطنت کا مفہوم اخذ کیا ہے۔

وكان معاوية يطالب علياً يأسه
قتله عثمان حتى يقتضی منهم
لانه احوى الى ان قال و صا
الامر اليه كما قال ابن عباس
لما جائے۔ آخر کار حکومت حضرت امیر معاویہ کے پاس چلی گئی۔ جیسا کہ
حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تھا۔

اس آیت اور اس تفسیر سے صاف ظاہر ہے۔ کہ حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ اللہ کی مدد شامل تھی۔ لہذا اُن کو غلبہ اور حکومت کا حاصل ہونا یقینی تھا۔ اس لئے یہ آیت اُن کو غلبہ اور حکومت کا نص ہے۔ یہ کہنا تو بالکل بچوں کی سی حرکت ہے۔ کہ حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت حسنؓ سے بجز حکومت چھین لی۔ یہ بھی عجیب المیہ ہے۔ کہ محبانِ اہل بیت ہر موقع پر مجبوری کو اصل بیت کے دامن کے ساتھ بے بسی اور بزدلی کا کوئی درجہ باقی نہیں رہتا۔ حالانکہ یہ حرکت دراصل اہل بیت کے ساتھ دوستی کے دعویٰ کے پردے میں اسلام اور خاندانِ نبویؐ کے ساتھ دشمنی کی نہایت بھیانک شکل ہے۔ اور یہ تو کچھ ایسا نقشہ بنتا ہے۔ جو میاں محمد صاحب اپنی زبان میں یوں بیان کیا ہے :- ع
بھیڑاں وانگ حلیم دسیوئیں نیت دیا بگھیاڑا

بہر حال حضرت امیر معاویہؓ کی حکومت ارشادۃ النصیب سے منصوص ثابت ہو گئی۔

حضرت امیر معاویہؓ کی حکومت کا ذکر آگیا۔ تو اس سلسلے میں چند ایک نادر باتیں بیان کر دینا بے محل نہ ہوگا :

فرانسیسی مستشرقین نے اس حکومت کے متعلق ایک پیشگوئی کا ذکر کیا ہے۔ جسے علامہ ابن حجر نے فتاویٰ الحدیث ۱۰۲۲، ۱۰۳ پر علامہ آجری سے نقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ

”حضرت امیر معاویہؓ کی والدہ ہند کا نکاح ابوسفیان سے پہلے ایک اور شخص سے ہوا تھا۔ ایک روز اُس کا خاوند کہیں باہر سفر پر گیا۔ تو اُس کی غیر حاضری میں اُس کا ایک دوست اُسے ملنے آیا۔ وہ خیمہ میں داخل ہوا۔ ہند سورہی تھی۔ اُٹھ کر سیدار ہوئی۔ اور اس کے پوچھنے پر بتایا کہ اُس کا خاوند گھر نہیں ہے۔ جب وہ واپس آیا۔ تو لوگوں نے اس کی بیوی کے متعلق بتایا۔ کہ تیرے دوست کے ساتھ اُس کے ناجائز تعلقات ہیں۔ وہ اس کے قتل پر آمادہ ہو گیا۔ وہ بھاگ کے میکے چلی گئی۔ دونوں خاندانوں میں جنگ کی صورت پیدا ہو گئی۔ آخر طے ہوا کہ علاقہ شام میں فلاں کاہن کے پاس چلیں۔ اور اُس کی بات کو قول فیصل مان لیں۔ آخر چند آدمی ہمراہ ہوئے۔ اور کاہن کے پاس چلے۔ لڑکی کے والد نے بار بار کہا کہ اگر تم میں عیب ہے۔ تو بتا دو۔ وہاں جا کر رسوائی نہ ہو۔ لڑکی نے بار بار برأت ظاہر کی۔ آخر کہا کہ میں تو بے قصور ہوں۔ لیکن یہ بھی تو سوچو کہ کاہن بھی ایک انسان ہے۔ اُس کی بات بھی غلط ہو سکتی ہے۔ اگر یہ صورت ہوئی۔ تو کیا بنے گا۔ اُس کے والد نے

کہا۔ اُس کا انتظام میں نہ کر رکھا ہے۔ چنانچہ کاہن کے پاس پہنچے۔ تو

”وہ لوگ کاہن کے پاس پہنچے

اُس نے حنہ کی پشت پر

ہاتھ لگایا۔ اور کہا۔ کہ حنہ

زانیہ نہیں ہے۔ عنقریب

اُس کے بطن سے ایک بادشاہ

پیدا ہوگا۔ جس کا نام معاویہ

ہوگا۔ لوگ یہ سن کر خوشی

سے پھولے نہ سماتے۔ وہاں

فَاتُوہ فَلَس عَلٰی ظَهْرِهَا فَقَالَ

هَذِهِ لَيْسَتْ بِزَانِيَةٍ وَهِيَ مَلِكَا

اسْمُهُ مُعَاوِيَةُ فَكَبَّرَ لِقَوْمِهِ وَ

خَرَجُوا عَنْهُ وَفَرَحُوا فَاتَّخَذَ

بَعْلَهَا بَيْدًا رَجَاءً اَنْ يَكُونَ

الْوَلَدُ مِنْهُ فَنَشَرَتْ بَيْدَهَا وَ

قَالَتْ وَاللّٰهِ لَا تَقْدَرُ بَنِي اَبَدًا

وَلَا تُدْرِي اَبَدًا ۝

سے لوٹے۔ تو حنہ کے خاوند نے اُس کا ہاتھ پکڑا۔ اس اُمید پر کہ وہ

بادشاہ میری پشت سے ہوگا۔ مگر حنہ نے اُس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

اور کہا۔ کہ حنہ کی قسم تم میرے قریب بھی نہیں آ سکتے۔ نہ آئندہ مجھے

دیکھ سکتے ہو۔“

اس کے بعد حنہ کا نکاح ابوسفیان سے ہوا۔ اور امیر معاویہ

پیدا ہوئے۔ اور آگے چل کر کاہن کی پیشگوئی درست ثابت ہوئی ۛ

۲- شیخ عباس قمی شیعہ عالم نے اپنی مشہور کتاب تہذیب المنہج طبع

ایران کے صفحہ نمبر ۳۱ پر لکھا ہے۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر

معاویہ رضی اللہ عنہ سے خود کہا۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بتایا ہے۔

کہ میرے بعد تم نے خلیفہ ہو جانا ہے۔ ۛ

”واذ بملہ درخاتمہ آن معاویہ را مخاطب داشتہ کہ رسول خدا

صلی اللہ علیہ وسلم مرا خبر دادہ نمود باشد کہ موئے ریش من

بخوان من خضاب گردد و من شهید شوم و تو بعد از من سلطنت
امت بدست گیری۔

کاہن کی پیشگوئی کسی انسانی علم یا فن کی بنا پر ہو سکتی ہے۔ مگر نبی
کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا تو لازماً اللہ تعالیٰ کی طرف سے مطلع
ہونے کی وجہ سے ہی ہو سکتا ہے۔ یعنی امیر معاویہؓ کا تخت خلافت
پر ممکن ہونا اللہ تعالیٰ کی مشیت اور فیصلہ کے مطابق ہے۔ اور نبی
کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کی بشارت دینا اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے
مطابق ہے۔ اور یہ ہی فیصلہ کی اطلاع دینا ہے۔ اور حضرت علیؓ کا خود
اُس پیشگوئی کی اطلاع امیر معاویہؓ کو دینا۔ اللہ و رسول کے فیصلے
پر مطمئن ہو کر سراپا تسلیم بن جانے کا اظہار ہے۔ اب اگر کوئی کہے۔
کہ امیر معاویہؓ نے بجز حکومت چھین لی۔ تو صاف ظاہر ہے۔ کہ وہ خدا
و رسول اور حضرت علیؓ کو (معاذ اللہ) سچا نہیں سمجھتا۔

(۲)

کلام رسول اللہ مقام امیر معاویہؓ

۱- عن واثلة مرفوعاً ان الله اثنى
عن وحيه جبرئيل وانا ومعاوية
وكاد ان يبعث معاوية نبياً
من كثرت علمه واستمانه على
كلام ربي يغفر الله لمعاوية
ذنوبه ووقاه حساباً الى
ان قال وجعله هادياً ومهدياً
وهذا يسهل (السلامة المصنوعة
۱۱۹۱) :

”حضرت واثلہ نے مرفوع حدیث
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی
ہے کہ حضور نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے
اپنی وحی پر جبرائیل کو امین بنایا مجھے
امین بنایا اور معاویہؓ کو امین بنایا۔
قریبی کہ قیامت کے دن معاویہؓ کو کثرتِ علم
اور کلامِ الہی کا امین ہونے کی وجہ سے
ایک اُست بن کر اُٹھے گا۔ اللہ تعالیٰ معاویہؓ
کے گناہ معاف فرمائے اُسے حساب سے
بچائے۔ آمین۔ ثم آمین۔
اللہ تعالیٰ نے اُسے ہادی اور
مہدی بنائے۔ اور مخلوق اُس سے
ہدایت حاصل کرے۔“

۲- اسی کتاب کے اُسی صفحہ پر علامہ شیخ طبری نے ایک اور روایت
بیان کی ہے :-

عن ابن عباسؓ ان جبرئيل اتى النبي
صلى الله عليه وسلم فقال يا معتمد
”ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جبرائیل
امین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

اَقْدَا مَعَادِيَةَ السَّلَامِ وَاسْتَوْصَى
بِهِ خَيْرًا فَاتَّقُوا امِينَ اللّٰهُ عَلٰى
كِتَابِهِ وَوَحْيِهِ وَنِعْمَ الْاَمِينُ
وہ کتاب الہی کا آئین ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی وحی کا آئین ہے۔ اور
بڑا عمدہ آئین ہے :

حیرت ہوتی ہے۔ کہ حضرت امیر معاویہ کے متعلق نبی کریم سے
ایسے ارشادات اور حضورؐ کی زبانی اُن کے متعلق اللہ تعالیٰ کے انعامات
سُنکر بھی لوگ امیر معاویہؓ کو بدلتا ہوا علامت بنانے کی جرات کیسے کرتے
ہیں۔ یہ دعویٰ کیونکر کرتے ہیں۔ کہ وہ لوگ اللہ و رسول سے بہتر
نقاد ہیں۔ یعنی حضرت امیر معاویہؓ کو پیدا کرنے والا اُسے نہیں جانتا۔
امیر معاویہ کی تربیت کرنے والا اور تربیت کے بعد اُسے کتاب الہی کا
آئین بنانے والا اللہ کا آخری رسول بھی امیر معاویہ کو نہیں جانتا۔ اور
صدیوں بعد پیدا ہونے والے یہ لوگ محض سُنی سُنائی اور اختراعی
باتوں کی بنا پر امیر معاویہ کے محاسن و معائب کو زیادہ جلتے ہیں۔ کتنے
دلیر ہیں یہ لوگ :

۳۔ علامہ سیوطیؒ نے اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۲۲۲ پر امیر معاویہؓ پر حضورؐ
کی ایک خصوصی عنایت کا ذکر کیا ہے :

وَلَمَّا حَلَقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
رَأْسَهُ بِمَنَى دَفَعَ اِلَى مَعَادِيَةَ مَن
شَعْرَةً فَعْبَانَهُ فَلَمَّا مَاتَ مَعَادِيَةُ
يَجْعَلُ شَعْرُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
”جب نبی کریم نے منیٰ کے
مقام پر سر منڈایا۔ تو
اپنے کچھ بال امیر معاویہؓ
کو دیئے۔ امیر معاویہؓ نے

علی عینیہ ط | اُن بالوں کو خوب محفوظ رکھا۔ اور

وفات کے وقت یہ بال امیر معاویہؓ کی آنکھوں پر رکھے گئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کی بہت قدر فرماتے۔ اور

صحابہ کو بھی حضورؐ سے کمال درجے کی عقیدت تھی۔ اس روایت سے ظاہر ہوتا

ہے۔ کہ حضورؐ نے امیر معاویہؓ کے ساتھ کمال شفقت فرمائی۔ اور جناب حضرت

امیر معاویہؓ نے بھی اس متاع عزیز کو زندگی بھر حرز جان بنائے رکھا۔ اور

یہاں سے رخصت ہوتے وقت یہ دولت ساتھ لیتے گئے۔

۴۔ اُسی کتاب کے صفحہ نمبر ۲۲۳ پر تحریر ہے :-

عن ابن عمر كان النبي صلى الله عليه وسلم مع زوجته أم حبيبة فقبلة

فأقبل معاوية فقال لها النبي

صلى الله عليه وسلم يا أم حبيبة هذا

أخوك قد أقبل أمانته يبعث

يوم القيامة عليه ما دأء من نورا

الایمان ط

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں۔

کہ حضور اکرمؐ اپنی زوجہ مطہرہ

حضرت ام حبیبہؓ کے ہمراہ

ایک خیمہ میں بیٹھے تھے۔ آپ

نے امیر معاویہؓ کو آتے دیکھا۔

تو فرمایا اے ام حبیبہؓ یہ تیرا

بھائی آرہا ہے۔ یہ محقق

بات ہے۔ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُسے یوں اٹھائے گا۔ کہ اس

پر نور ایمان کی ایک چادر ہوگی۔

انسان کی کامیابی کا انحصار حسن خاتمہ پر ہے۔ جب تک انسان

زندہ ہے۔ خطرے میں ہے۔ کہ کہیں اُس کا قدم پھسل نہ جائے۔ خوش

قسمت ہیں وہ لوگ جو ایمان کی دولت لے کر اس دنیا سے رخصت

ہوں۔ اُن سے زیادہ خوش قسمت اور خوش بخت وہ لوگ ہیں جو میدان

حشر میں حاضر ہوں۔ کہ اُن کی ہر ادا سے ظاہر ہو۔ کہ اللہ تعالیٰ اُن سے راضی اور اُن سے زیادہ بلند اقبال وہ لوگ جن کو مرنے سے پہلے بشارت مل جائے۔ کہ میدانِ حشر میں وہ نورِ ایمان کی ردا میں پٹے ہوئے ہیں اور بشارت اُس زبان سے ملے۔ جس کا ایک وصف خود خالقِ زبان نے یہ بتایا۔ کہ وما ينطق عن الهوى ان هو الا وحىً يوحى ۝

یعنی زبانِ محمد رسول اللہؐ کی ہوتی ہے۔ اور بات خود اللہ کی ہوتی ہے۔ اوپر کی روایت کو دیکھئے۔ کہ نبی کریمؐ کی زبان حق ترجمانِ امیرِ معاویہؓ کے متعلق میدانِ حشر میں نورِ ایمان کی بشارت اور ضمانت دے رہی ہے۔ مگر اُن لوگوں کو امیرِ معاویہؓ کے ایمان میں شک ہے۔ جو صرف ایمان کا لفظ کتابوں میں پڑھا لیا کرتے ہیں۔ ایمان کی حقیقت اور ایمان کی سعادت سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہوتا۔ مگر جب خدا اور رسولؐ سے ٹھن گئی ہے۔ تو یہ بے چارے خدا اور رسولؐ سے دشمنی اور مخالفت نہ کریں۔ تو اور کیا کریں۔ آخر خدا اور رسولؐ سے دشمنی کا حق بھی تو ادا کرنا ہوا ۝

سعید بن العاصؓ روایت کرتے ہیں۔ کہ حضرت ابوہریرہؓ کے بعد حضرت امیرِ معاویہؓ نے پانی کا ٹوٹا پکڑا۔ اور حضورؐ کے پیچھے چلے گئے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے شکایت کی۔ حضورؐ وضو فرما رہے تھے۔ کہ اُس دوران سر اٹھا کر ایک یا

۵۔ عن سعید بن العاص ان معاوية اخذ الاسادة بعد ابى هريرة يتبع رسول الله صلى الله عليه وسلم واشتكي ابو هريرة هو يومى رسول الله صلى الله عليه وسلم رفع رأسه اليه مرة او مرتين وهو يتوضأ فقال يا معاوية ان وليت امدا فاتق الله

و اعدال قال فما زلت اظن الى مبتلى
يعمل بقول رسول الله حتى ابتليت
رواه احمد وابو يعلى ۛ

دو مرتبہ اُن کی طرف دیکھا آپ
وصیت فرما رہے تھے۔ اور فرمایا
اے معاویہ اگر تم حاکم بنو تو اللہ

سے ڈرنا۔ اور عدل کرنا۔ حضرت امیر معاویہ کہتے ہیں۔ کہ مجھے ہمیشہ خیال
رہتا۔ کہ حضورؐ کے فرمان کے مطابق اُس فتنے میں ضرور مبتلا ہو جاؤں گا۔

۴-۲ عن معاویة قال قال رسول
الله صلى الله عليه وسلم توضعون قال
فلما توضعون نظروا الى فقال يا معاوية
ان دليت امدا فائق الله و
اعدل ۛ

حضرت امیر معاویہ فرماتے ہیں۔
کہ وضو کرتے ہوئے حضورؐ نے
میری طرف نگاہ کی۔ اور فرمایا
اے معاویہ اگر تو حاکم بن جائے
تو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا۔ اور

عدل کرنا ۛ

ان دو حدیثوں سے ظاہر ہے۔ کہ حضورؐ نے حضرت امیر معاویہ رضی کی
حکومت کی پیشگوئی فرمادی تھی۔ اور انبیاء کی پیشگوئی من جانب اللہ ہوتی
ہے۔ اور درست ہوتی ہے۔

۷-۲ عن عائشة رمة قالت لما كان
يوم امر جيبه ان النبي صلى الله عليه
وسلم دق الباب داق فقال النبي
صلى الله عليه وسلم انظروا من هذا
قالوا معاوية قال ائذنا وادخل
وعلى اذنهم قلم يحظبه. فقال ما
هذا القلم على اذنك يا معاوية

حضرت عائشہ رحمہ فرماتی ہیں جس
روز اُم حبیبہ کی باری تھی۔ تو کسی
نے دروازے پر دستک دی
حضورؐ نے فرمایا۔ دیکھو کون ہے۔
عرض کیا » معاویہ ہے۔ فرمایا
اُسے اجازت دے دو۔ چنانچہ
معاویہ اُسے کان پر قلم رکھا تھا۔

قال قلوا اعدتہ للہ و لرسولہ فقال
 جزاک اللہ عتاً خیراً واللہ ما
 استسکتک الا یوحی من اللہ عز
 وجل کیف یک لو قمصک اللہ
 قمیصاً یعنی الخلافۃ فقالت
 یا رسول اللہ وان اللہ، أم جیبۃ
 فجلست بین یدیه فقالت یا
 رسول اللہ وان اللہ مقمص
 اخی قمیصاً قال نعم والی
 ان قالت قلت یا رسول اللہ
 ادع لہ فقال اللہ صا
 بالہدی وجنبہ الردی اغفرلہ
 فی الآخرۃ والاولی ۛ

حضورؐ نے فرمایا۔ یہ کان پر قلم کیسا
 ہے۔ عرض کیا۔ میں اُس سے اللہ و
 و رسول کے احکام لکھتا ہوں حضورؐ
 نے فرمایا۔ ہماری طرف سے تمہیں
 اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے۔ بخدا
 میں تو وہی لکھتا ہوں۔ جو اللہ تعالیٰ
 سے بذریعہ وحی نازل ہوتا ہے فرمایا
 اُس وقت کیا حالت ہوگی۔ جب
 اللہ تعالیٰ تمہیں قمیص پہنائے
 گا۔ یعنی خلافت دے گا۔ تو اُم
 جیبہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ
 کیا میرے بھائی کو اللہ قمیص
 پہنائے گا۔ فرمایا۔ ہاں آپ

فرماتی ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ اس کے لئے دعا فرمائیے۔
 فرمایا۔ اے اللہ اُسے ہدایت پر رکھ۔ ہلاکت سے بچا۔ اور دنیا اور آخرت
 میں اُس کے گناہ بخش دے ۛ

اس حدیث میں ایک تو امیر معاویہ کی خلافت کی پیشگوئی ہے۔
 دوسری اُن کے حق میں حضورؐ کی دعا ہے۔ اور ظاہر ہے۔ کہ جس کی دعا کسی
 کو اہل بیت میں شامل کرنے کے لئے منظور ہو جاتی ہے۔ اُس کی دعا کسی کو
 ہمیشہ ہدایت پر رکھنے اور اُس کے گناہ معاف کر دینے کے لئے ضروری
 منظور ہوئی ۛ

۸- وعن عبد باض بن سارية قال
قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
اللهم علم معاوية الكتاب
والحساب وفقه العذاب ط

بجا۔ آمین۔ ثم آمین :

عبد باض بن ساریہ فرماتے ہیں حضور
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے
اللہ معاویہ کو کتاب اور حساب کا
علم عطا فرما۔ اور اُسے عذاب سے

دُعا کا وہ حصہ جو دنیا سے تعلق رکھتا ہے۔ حساب و کتاب کا علم وہ تو
مشاہدے میں آیا۔ کہ منظور ہو گیا۔ لہذا وہ حصہ جو آخرت سے تعلق رکھتا
ہے۔ اُس کے منظور ہونے میں کیسے شبہ ہو سکتا ہے :

۹- عن مسلم بن مخلد ان النبي
صلى الله عليه وسلم قال لمعاوية
اللهم علمه الكتاب والحساب
ويمكن له في البلاد وفي روايته و
ايضا وقع سوء العذاب ط
سے بجا : آمین :

مسلم بن مخلد سے روایت ہے۔ کہ
حضور نے حضرت امیر معاویہ کے
متعلق دعا کی۔ اے اللہ اُس کو کتاب
اور حساب کا علم عطا فرما۔ اور اُس
کو حکومت دے۔ اور بُرے عذاب

اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ حضرت امیر معاویہ صرف کاتب والوحی ہی
نہیں تھے۔ اکاؤنٹینٹ بھی تھے۔ حساب بھی رکھتے تھے :

۱۰- وعن ابی الدرداء قال ما
رأيت احدا لعبد رسول الله صلى الله
عليه وسلم اشبه هلاة برسول
الله صلى الله عليه وسلم من احدكم
هذا يعني معاوية ط

”ابو درداء فرماتے ہیں۔ کہ میں نے
حضور کے بعد حضور سے زیادہ
زیادہ مشابہت رکھنے والی نماز
پڑھانے والا امیر معاویہ کے سوا
کوئی نہیں دیکھا۔“

۱۱- وعن عبد الله ابن عمران معاوية
كان يكتب بين يدي رسول الله
صلى الله عليه وسلم

عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں۔ کہ امیر
معاویہ حضور کے سامنے بیٹھ کے
لکھا کرتے تھے۔

۱۲- وعن يزيد بن ابي حمزة قال
قال علي بن قتلاي وقتلي معاوية
في الجنة

”یزید بن عاصم کہتے ہیں۔ کہ حضرت
علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ کہ میرے مقتول
اور معاویہ کے مقتول دونوں جنتی

ہیں :

۱۳- وعن عوف بن مالك قال كنت
قائلا في كنيسة باريحا ومعى يومئذ
مسجد يعلى فيه قال فانتبه عوف
بن مالك من نومه فاذا معه في
البیت اسديشئ اليه فقام فزعا
الى سلاحه فقال له الاسد مع
انما ارسلت اليك برسالة لتبلغها
قلت من ارسلك قال الله امر سلمي
اليك لتعلم معاوية انه من اهل
الجنة قلت من معاوية قال
معاوية بن ابي سفيان

”عوف بن مالک کہتے ہیں۔ میں اریحاکے
ایک گرجا میں جواب مسجد بن چکا تھا۔
ایک روز قتلوار کر رہا تھا۔ کہ آپ
اچانک گھبرا کے جاگے وہاں ایک
شیر آیا۔ عوف نے ہتھیار لینے کا
ارادہ کیا۔ شیر نے کہا رک جائے
میں تو آپ کو ایک پیغام دینے
آیا ہوں۔ عوف نے پوچھا۔ تجھے
کس نے بھیجا۔ شیر نے کہا۔ اللہ
نے بھیجا ہے۔ کہ اے عوف تو معاویہ
کو کہہ دے۔ کہ تو جنتی ہے۔ میں نے

پوچھا۔ کہ کون سا معاویہ؟ کہا معاویہ بن ابی سفیان :

یہ تمام روایات مجمع الزوائد و منبع الفوائد للعلامة نور الدین البیہقی

۹: ۳۵۴ تا ۳۵۸ سے نقل کی گئی ہیں :

ان احادیث سے ظاہر ہے۔ کہ حضورؐ حضرت امیر معاویہؓ کو کبھی حکومت کی بشارت دے رہے ہیں۔ کبھی دُعا کر رہے ہیں۔ اور یا ر لوگ کہتے ہیں انہوں نے حکومت چھین لی۔ حضرت علی رضہؓ کہتے ہیں۔ کہ میرے اور معاویہؓ کے مقتول جنتی ہیں۔ اور لوگ کہتے ہیں۔ کہ یہ کفر و اسلام کی جنگ تھی۔ حضورؐ دُعا فرما رہے ہیں۔ کہ معاویہؓ کو ہدایت پر رکھ اور اُسے کتاب و حساب کا علم دے۔ اور اُس کے گناہ مُعاف فرما۔ لوگ شبہ کرتے ہیں۔ کہ معاویہؓ کے حق میں دُعا بھلا کیسے قبول ہوتی ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں۔ کہ معاویہؓ جنتی ہے۔ لوگوں کو یہ بات ناپسند ہے۔ خدا جانے یہ بھولے بادشاہ حضورؐ کی مخالفت کرنے پر کیوں اُدھار کھائے بیٹھے ہیں :

(۳)

صلحائے اقصیٰ اور امیر معاویہؓ

نبی کریم ﷺ کا صحابی ہونا ایسا وصف ہے۔ اور ایسی خوبی ہے کہ وصف نبوت کے بعد اُس سے بڑا کوئی وصف اور منصب نہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت کے منصب کے لئے محمد رسول اللہ ﷺ کو انتخاب فرمایا۔ اور حضورؐ کی زبان مبارک سے یا ایہا الناس اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَیْکُمْ جَمِیْعًا کا اعلان کرایا۔ اور رحمۃً تَلْعَالِیْن کا خطاب دے کر رہتی دنیا تک کے لئے حضورؐ کو ہادی، مزی اور مربی مقرر فرمایا۔ حضورؐ کی ذات اقدس گویا واحد یونیورسٹی تھی۔ جس سے صحابیت کی ڈگری مل سکتی تھی۔ حضورؐ کے اس دُنیا سے پردہ فرمانے کے بعد نبوت کے بغیر تمام کمالات حاصل ہو سکتے ہیں۔ مگر صحابیت کا شرف قیامت تک کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا ۛ

عام قاعدہ ہے۔ کہ کوئی اعلیٰ درجے کی یونیورسٹی یا کالج ہو۔ تو اس میں داخلہ کے لئے خاص طور پر ٹیسٹ لیا جاتا ہے۔ جب کہ عام کالجوں میں داخلہ کے لئے صرف یہ دیکھ لیا جاتا ہے۔ کہ پہلے درجے کا امتحان پاس کر لیا ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی درس گاہ اور تربیت گاہ کوئی عام درس گاہ نہیں تھی۔ بلکہ دنیا بھر میں واحد اور لاثانی تربیت تھی۔ اُس میں داخلہ کے لئے بھی مراتب العالمین نے ایک ٹیسٹ رکھا ہوا ہے۔ جس کا اظہار اُن الفاظ میں فرمایا۔ کہ :-

اُولَٰئِكَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَ اللّٰهِ قُلُوْبُهُمْ | یعنی یہ وہ لوگ ہیں۔ جن کے دلوں

التَّقْوَىٰ (۳۱:۲۹) | کو اللہ تعالیٰ نے جان لیا ہے۔

کہ اُن میں تقوئے کا وصف موجود ہے ۛ
اور اُس ٹیسٹ کا نتیجہ سنایا۔ کہ :-

وَالْزَمُّهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا
أَحَقَّ بِهَا وَاصِلًا (۲۶:۲۸) ۛ | یعنی اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے
تقوئے کا وصف لازم قرار دے کر

رکھا تھا۔ اور وہ لوگ اس کے سب سے زیادہ حقدار اور اہل تھے ۛ

انسان تو ٹیسٹ لیتے ہیں۔ اور پرچہ جانچنے میں غلطی بھی کر جاتے ہیں۔ مگر
علیہم السلام اتنا مستعد و مجاہد کب غلطی کر سکتا ہے۔ پھر بھی اُس ٹیسٹ کے
بعد اُس نے تاکیداً یہ بھی ارسال فرما دیا :-

وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ
عَلِيمًا ۛ | قدیم اور ازلی علم کے بعد اس بنا

پر اُن لوگوں کے قلوب کو جانچ کر اس قابل قرار دیا۔ کہ یہ لوگ محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی درس گاہ اور تربیت گاہ میں داخلہ کی اہلیت رکھتے
ہیں۔ اور یہی اس شرف کے حقدار ہیں۔

کسی دانشور کو اللہ تعالیٰ کے پیروار کنگ کے معیار پر اعتراض ہو۔
کسی کو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ پسند نہ آئے۔ تو اُس کا کیا علاج ہو سکتا ہے۔
یہ تو ایسی بیماری ہے۔ کہ دنیا کے کسی بڑے بڑے دماغی ہسپتال میں بھی
اُس کا علاج نہیں ہو سکتا ۛ

صحابہؓ کے قلوب اُن کے یقین اور اُن کے ایمان کا یہ عالم ہے کہ اللہ
تعالیٰ نے قیامت تک آنے والے لوگوں کے لئے صحابہ کے ایمان کو پیمانہ
قرار دے دیا۔ جس سے دُوروں کے ایمان کی پیمائش ہو سکتی ہے۔ فرمایا

فان امنوا بثل ما امنتهم | یعنی اگر لوگ اس طرح ایمان
 بہ فقد اھتدوا (۱۳۷:۲) | لائیں۔ جیسے تم ایمان لائے ہو۔ تو
 وہ ہدایت کو پائیں گے۔ ط

وانتہ بدو نہا خد ط العتاد ط

اور جہاں تک ظاہری اعمال کا تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے والدین اتباعوا
 باحسان ط کا اعلان فرما کر پورے خلوص کے ساتھ صحابہ کی اتباع کو حصول
 رضا کا سبب اور انعامات الہی کے حصول کا واحد ذریعہ قرار دیا۔ جن
 لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے اس انتخاب اور اس فیصلہ پر یقین ہے۔
 انہوں نے صحابہ کے مقام کو پہچانا۔ اور اُس کا اظہار بھی بڑے اہتمام سے
 کیا۔ چنانچہ

۱۔ تنادى الحدیث ۲۶۱۲ میں ہے کہ

ان ابن المبارک وناھیک بہ | یعنی حضرت عبد اللہ بن مبارک
 امامۃ وعلما و معرفۃ سئل | جن کی فضیلت کے لئے اُن کا امام
 ہونا، عالم ہونا اور صاحب معرفت
 ہونا کافی ہے۔ اُن سے پوچھا گیا۔
 عبد العزیز فقال واللہ للغباء | کہ حضرت امیر معاویہ افضل ہیں۔
 الذی دخل انت قدس معاویۃ | یا عمر بن عبد العزیز رحمہ۔ فرمایا۔
 مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم | خدا کی قسم نبی کریم صلی اللہ علیہ
 خیر من مائۃ مثل عمر ابن | وسلم کے ہمراہ رہ کر امیر معاویہ
 عبد العزیز ط

کے گھوڑے کی ناک میں جو عباد راہ اٹکا۔ اُس کی نشان بھی سینکڑوں عمر بن
 عبد العزیز سے بلند ہے۔۔

مگر جو لوگ محمد رسول اللہ ص سے واقف نہیں۔ وہ حضورؐ کے صحابہؓ کو کیونکر پہچانیں۔ جن کی آنکھیں آفتاب عالمتاب کو نہ دیکھ سکیں۔ وہ مانتاب کو کیا دیکھیں گی؟

۲-۱ اسی طرح غوث اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحم سے امیر معاویہؓ کے متعلق پوچھا گیا: تو فرمایا کہ اگر سڑک کے کنارے ننگے سر بیٹھا ہوا ہوں۔ اور حضرت امیر معاویہؓ اپنے گھوڑے پر سوار اس راہ سے گزریں۔ اور گھوڑے کے سموں سے غبار اڑ کر میرے سر پر پڑے۔ تو میں سمجھوں گا کہ میں جنتی ہو گیا ہوں۔“

(۴)

خال المؤمنین

حضرت امیر معاویہؓ کی ہمیشہ حضرت ام حبیبہؓ حضور اکرمؐ کی زوجہ مطہرہ تھیں۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ کسی عورت کا ازدواجی رشتہ ہونا افراد امت کے ساتھ بھی ایک رشتہ قائم کر دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:-

النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ
أَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ

(۶۲۳۳)

ایمان والوں کو اپنی جان سے زیادہ
نبیؐ سے لگاؤ ہے۔ اور نبیؐ کی بیویاں
اہل ایمان کی مائیں ہیں۔“

جب نبیؐ کی بیوی ام المؤمنین ہوئی۔ تو ام المؤمنین کا بھائی خال المؤمنین
ہوا۔ مگر اس رشتے کی قدر جاننے کیلئے اور اس رشتے کا شرف حاصل
کرنے کے لئے مؤمن ہونا شرط ہے۔ جو ایمان کی دولت سے محروم ہو۔ اس
کے لئے نہ وہ ام المؤمنین اور نہ یہ خال المؤمنین ہے
شیعہ کتاب احتجاج طبرسی صفحہ نمبر ۹۲ پر لکھا ہے:-

وساوی ابو عبیدۃ قال کتب معاویۃ
الی امیر المؤمنین علیہ السلام
ان لی نساء کثیرۃ کان ابی
سیداً فی الجاہلیۃ وصرت ملکا
فی الاسلام وانا صمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم وخال المؤمنین

ابو عبیدہ نے بیان کیا۔ کہ حضرت
امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کو خط
لکھا۔ کہ میں بہت نساء کا مالک
ہوں۔ میرے والد زمانہ جاہلیت کا
میں سردار تھے۔ اور میں زمانہ اسلام
میں سردار ہوں۔ اور میں زوجہ رسول

و کاتب الوحی ط

کا بھائی ہوں۔ اور خال المؤمنین
ہوں۔ اور میں کاتب وحی ہوں۔“

احتجاج طبری کے حاشیہ پر اس کا معنی لکھا ہے :-

يقولون معاوية خال المؤمنين
لان صفية زوجة الرسول بنت
ابي سفيان وهي ام المؤمنين بناء
على ان ازواج النبي صلى الله عليه
وسلم كلهن امهات المؤمنين فحينئذ
يكون معاوية خال المؤمنين ط

”یعنی امیر معاویہ کو خال المؤمنین اس
وجہ سے کہتے ہیں۔ کہ صفیہ بنت ابی
سفیان زوجہ رسول تھیں۔ اور
ازواج انبی تمام کی تمام امہات
المؤمنین ہیں۔ لہذا امیر معاویہ
کو خال المؤمنین کہتے ہیں۔“

مُحَشی نے اُم حبیبہؓ کی جگہ صفیہؓ لکھ دیا ہے۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات
نہیں۔ جس گھر کے ساتھ کسی کے روابط نہ ہوں۔ اُس گھر کے افراد سے
واقفیت نہیں ہو سکتی۔ اُن بے چاروں کو بیت رسول سے حب کوئی
تعلق اور رشتہ نہیں۔ تو اہل بیت رسول سے واقفیت پھر کیونکر ہو
سکتی ہے۔ چلو کچھ سنی سُنی تو بیان کر ہی دی ۛ

(۵) کاتب الوحي

آسمانی یا الہامی مذہب کا تعارف آسمانی کتاب سے ہوتا ہے۔ اور الہامی مذہب کی صحت بقا اور اشاعت کا انحصار آسمانی کتاب کی حفاظت اور بقا پر ہے۔ غالباً اسی بنا پر رب العالمین نے دین حق کی صحت حفاظت اور بقا کی ضمانت دیتے ہوئے آسمانی کتاب کے متعلق فرمایا کہ :-

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا
لَعَلَّافِطُوْنَ ۝
یعنی یہ کتاب ہدایت، قرآن، ہم
نے نازل کیا۔ اور ہم ہی اس کی
حفاظت کے ذمہ دار ہیں ۝

حفاظت کا تعلق تین مرحلوں سے ہے۔ پہلا مرحلہ یہ ہے کہ جس فرشتے کے ذریعے کلام باری نازل کیا جائے۔ وہ ائین ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس فرشتے کو رُوحِ الایمن کا لقب عطا فرمایا۔

حفاظت کا دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ جس پر نازل ہوا۔ وہ ائین بھی ہو۔ اور اُسے یاد بھی رکھے۔ تو اس سلسلہ میں اس کی امانت کا یہ عالم تھا کہ اس کے خون کے پیاسوں نے آذماٹھیں کر کر کے اُسے ائین کے نام سے پکارنا شروع کر دیا تھا۔ اور جہاں تک اُسے یاد رکھنے کا تعلق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ضمانت دے دی کہ

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰی ۝

حفاظت کا تیسرا مرحلہ یہ ہے کہ بندوں تک پہنچانے والا ائین ہو۔ تو پہنچانے کے دو ذریعے ہیں۔ ایک وقتی، اور ایک دائمی۔ وقتی یہ کہ زبانی

تلاوت کر کے اُس کی آیات جوں کی توں سُننا دی جائیں۔ تو یہ کام بنی کریمؐ نے بذاتِ خود کیا۔ اور صحابہ کو اُس کا حکم دیا۔

دائمی یہ کہ اُس کی کتابت کا انتظام کیا۔ ظاہر ہے۔ کہ کتابت کے فریضہ کو ادا کرنے کے لئے جن لوگوں کا انتخاب خود حضورؐ نے کیا۔ اُن کی امانت میں شبہ وُہی کر سکتا ہے۔ جسے خود رسول کریمؐ کی امانت میں شبہ ہو۔ ورنہ یہ کیسے ممکن ہے۔ کہ بنی کریمؐ ایک شخص کو ایمن قرار دے کر ایک کام اُسے سونپیں۔ اور بنی کریمؐ پر ایمان کا دعویٰ کرنے والا خواہ تفسیر ہی ہو کہ وہ ایتن نہیں۔ مگر یہاں یہ دونوں نمونے ملتے ہیں :

- ۱۔ شیعہ کتاب احتجاج طبرسی صفحہ نمبر ۹۲ سے ایمن الامت حضرت ابو عبیدہ کی روایت نقل کی جا چکی ہے۔ کہ امیر معاویہ کا تب الوحی تھے :
- ۲۔ معانی الاخبار شیخ صدوق صفحہ نمبر ۳۴۶ طبع جدید مطبع حیدری تہران اس عنوان سے ایک پورا باب ہے۔ کہ

”استعانة النبی بمعاویة فی کتابت الوحی“

- ۳۔ انوار نعمانیہ۔ شیعہ محدث نعمت اللہ البحرانی صفحہ نمبر ۲۴۷ پر ہے

وکنذالک جعل معاویة من الکتاب قبل موته بسة اشهر مثل هذه المصلحة وايضا عثمان واهل بيته ما كانوا يحضرون الا في المسجد مع جماعة الناس فما يكتبون الا ما نزل به جبرائيل بين الملائكة

”اسی طرح امیر معاویہ کو بنی کریمؐ نے اپنی وفات سے چھ ماہ پہلے اس مصلحت کی بنا پر کاتبِ وحی مقرر فرمایا۔ اور حضرت عثمانؓ اور اُن کے مثل کاتبِ وحی مقرر فرمائے جو مسجد نبویؐ میں حاضر ہو کر وہی قرآن لکھتے تھے۔ جو ظاہر باہر نازل ہوتا تھا۔“

یہاں شیعہ محدث کو دو باتوں کا اعتراف ہے :-

۱-: یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر معاویہ کو کاتب وحی مقرر فرمایا :

۲-: یہ کہ امیر معاویہ کی دیانت و امانت میں کوئی شبہ نہیں۔ وہ دُہی قرآن لکھتے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتا تھا :

۳-: تنقیح المقال فی احوال الرجال - معروف بہ رجال ما عقیانی صفحہ ۲۲۲

پر ہے :- (یہ کتاب شیعہ کے نزدیک اسماء رجال میں لاثانی ہے)

فہو معاویہ بن ابی سفیان اسمہ لہ " یہ معاویہ بن ابی سفیان ہیں اُن

کا نام صحز بن حرب بن اُمیہ بن عبد

شمس بن عبد مناف ہے کنیت

ابو عبد الرحمن ہے قریشی اموی

کاتب رسول اللہ ہیں جب حضرت

حسن نے اُن سے صلح کر لی۔ اور

خلافت اُن کے حوالہ کی۔ تو یہ والی

خلافت تھے۔ یہ صلح ربیع الآخر یا

جمادی الاولیٰ سال ۱۰ھ میں ہوئی۔ اور

حضرت امیر معاویہ کی وفات ۲۲ھ

رجب ۱۰ھ میں بعمر ۸۷ برس

ہوئی :

ابن جریر بن امیہ بن عبد شمس بن عبد

مناف یعنی اباعبد الرحمن القرشی

الاموی کاتب رسول اللہ ولی

الخلافة حین سلم الامدالیہ

الحسن بن علی وصالحہ و ذالک

فی شہد سابع الاخر و جمادی

الاولیٰ سنة احدى و اربعین و

مات یوم الخمیس ثمان بقین

من رجب سنة ستین و ہوا بن

ثمان و سبعین سنة ۱۰ھ

یعنی شیعہ فن رجال کے ماہر علامہ ما عقیانی نے یہ تسلیم کیلئے کہ حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر معاویہ کو کاتب الوحی مقرر فرمایا۔ اور ظاہر

ہے۔ کہ یہ انتخاب حضورؐ نے بحکم خداوندی ہی فرمایا تھا ۛ
خدا و رسول کے اس انتخاب سے ناراض ہو کر شیعہ حضرات نے جو
اس حقیقت کو مسخ کرنے کی کوشش کی ہے اُس کے چند نمونے بھی ملاحظہ
ہوں :-

۱- : فصل الخطاب فی تحریف کتاب رب الارباب صفحہ نمبر ۷۷، طبع قدیم
ایران۔ از علامہ توری طبرسی :-

واما معاویۃ فعدۃ جماعۃ
من مخالفینا من کتاب الوحی
مع ان الجہور فقالوا انہ اسلم
بعد فتح مکہ وقیل وفات النبی
ستۃ اشہد تخمینا قال فی
الطرائف فکیف تقبل العقول
ان یوثق فی کتابت الوحی بمعاویۃ
مع قد ب عہدہ بالکفر وقصورہ
فی الاسلام حیث دخل فیہ و فی
صراط المستقیم انہ کان یکنی
عن نفسہ کتاب الوحی وفی احقاق
الحق ان کان کتاب الصدقات ۛ
خود اپنے لئے کتاب الوحی کی کنیت استعمال کی تھی۔ اور نور اللہ شومتری
نے احقاق الحق میں لکھا ہے۔ کہ حضرت امیر معاویہ صرف صدقات کا کتاب
تھا ۛ

” رہا معاویہ کا معاملہ تو ہمارے
مخالفین نے اُسے کاتب الوحی شمار
کیا ہے۔ حالانکہ جہور نے لکھا ہے۔ کہ
معاویہ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوا۔
جو حضورؐ کی وفات سے قریباً چھ ماہ
پہلے ہوا ہے۔ اور کتاب طراف میں
لکھا ہے۔ کہ یہ بات خلاف عقل ہے۔
کہ کتابت وحی میں معاویہ پر بھروسہ
کیا جائے۔ جب کہ وہ تازہ تازہ
کفر سے نکل کر اسلام میں داخل
ہوا۔ اور اُس کا اسلام بھی ناقص
تھا۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ اُس نے

پھر اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۷۸ پر لکھا ہے :- کہ

وان حنظلة بن الربيع ومعاوية
بن ابی سُفیان کانَا
یكتبَان له اِلی ملوک
المقبائل ۛ

خطوط لکھا کرتے تھے ۔

علامہ طبرسی نے اُس بیان میں کئی نکات بیان کر دیئے ہیں ۔ مثلاً :-
۱۔ ہمارے مخالفین نے امیر معاویہ کو کاتب الوحی شمار کیا ہے ”گزشتہ
صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے۔ کہ

(الف) شیعہ مذہب کے ستون شیخ صدوق نے اپنی کتاب معانی
الاحبار میں بیان کیا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر معاویہ کو کاتب
الوحی مقرر کیا ۛ

(ب) شیعہ محدث الجزائری نے اپنی مایہ ناز تصنیف انوار لغمانیہ
میں بیان کیا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر معاویہ کو کاتب الوحی
بنایا۔ اور آپ وہی قرآن رکھتے تھے۔ جو جبرئیل امین اللہ تعالیٰ کی
طرف سے لے کر آتے تھے ۛ

(ج) شیعہ ماہر فن رجال علامہ ماحقانی نے اپنی مشہور کتاب تنقیح
المقال میں لکھا ہے۔ کہ امیر معاویہ کاتب وحی تھے ۛ

ان تینوں بیانات کا حاصل یہ ہوا۔ کہ شیخ صدوق سید نعمت اللہ
الجزائری اور علامہ ماحقانی نے امیر معاویہ کو کاتب الوحی شمار کیا۔ اور
اعتراف کیا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود انہیں کاتب الوحی مقرر فرمایا۔

اور یہ مُسلم عقیدہ ہے۔ کہ حضور ﷺ نے لازماً یہ انتخاب اللہ کے حکم سے فرمایا تھا۔ لہذا ثابت ہوا۔ کہ علامہ طبرسی کے نزدیک یہ تینوں شیعہ عالم شیعوں کے مخالف ہیں۔ اور اللہ اور اُس کا رسول بھی شیعوں کے مخالف ہیں۔ یعنی علامہ طبرسی اپنے اُن تینوں علماء کو بھی اور خدا اور رسول کو بھی اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ ع

یہ کام اُن کلبے جن کے حوصلے میں زیاد !

۲- علامہ طبرسی نے صاحب الطرائف کی آڑ لے کر کہا ہے۔ کہ ”امیر معاویہ پر بھروسہ کرنا خلاف عقل ہے۔“

سوال یہ ہے۔ کہ بھروسہ کس نے کیا۔ جس نے انتخاب کیا۔ وہ تو اللہ کا رسول ﷺ ہے اور جس کے حکم سے یہ انتخاب کیا۔ وہ رب العالمین اور علیم بذات الصدور ہے۔ آپ کی عقل کو میاں کون پوچھتا ہے۔ اگر عقل ہو۔ بلکہ عقل کی تہمت بھی ہو۔ تو یہ بات زبان و قلم سے نہیں نکل سکتی۔ جب خدا نے بھروسہ کر لیا۔ اور خدا کے رسول نے بھروسہ کر لیا۔ تو آپ کی عقل سر پٹتی رہے۔ تو اُس سے کیا بنتا ہے۔“

۳- نور اللہ شوستری نے لکھا۔ کہ صرف صدقات کے کاتب تھے۔ ”خدا کا رسول امیر معاویہ کو کاتب الوحی مقرر کرے۔ اور ظاہر ہے۔ کہ بحکم الہی کرے۔ اور نور اللہ شوستری کہے۔ کہ نہیں۔ خدا اور رسول کو چھوڑو میری بات مانو۔ اب یہ صرف علامہ طبرسی ہی کا حوصلہ ہے۔ کہ خدا اور رسول کی بات کے مقابلے میں شوستری صاحب کی بات کو زیادہ وزن دے کیونکہ جس کے دل میں ایمان کی ذرا رمت بھی ہو۔ وہ خدا اور رسول کے انتخاب کے مقابلے میں کسی کی بات کو پیر کاہ کے برابر بھی وقعت نہیں

دیتا ۔

میاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے ۔ کہ شوہری نے کس سند کی بنا پر یہ لکھا ہے ۔ کہ حضرت امیر معاویہ کاتب صدقات تھے ۔ یہ وضاحت نہیں فرمائی ۔ کہ جس ماحضہ سے شوہری نے یہ حاصل کیا ۔ وہاں یہ قید بھی مذکور ہے ۔ کہ خزانہ صدقات کے علاوہ کچھ نہ لکھنا :

۴۔ : لکھے صفحہ پر علامہ طبرسی فرماتے ہیں ۔ کہ حضور ﷺ نے حضرت امیر معاویہ کو قبائل کے سرداروں کی طرف خطوط لکھنے پر مقرر کیا تھا : پہلا سوال تو یہ ہے ۔ کہ کتابت وحی ، کتابت صدقات اور کتابت الی رؤساء قبائل میں تناقض ہے ۔ یا تقابل ایجاب سلب کا ہے : دوسرا سوال یہ ہے ۔ کہ یہ بات خلاف عقل کیوں نہیں ۔ کہ مختلف قبائل سے خط و کتابت کرنے میں امیر معاویہ پر اعتماد کر لیا جائے ۔ اس معاملے میں عقل سے کیوں کام نہیں لیا گیا ۔

تیسرا سوال یہ ہے ۔ کہ اس امر کی تصریح کہاں ہے ۔ کہ جو آدمی قبائل کے سرداروں کے ساتھ خط و کتابت کرے ۔ اُس کے لئے کچھ اور لکھنا حرام ہے : اور آخری سوال یہ ہے ۔ کہ حضور ﷺ نے امیر معاویہ کو اس کام کے لئے انتخاب کرتے وقت آپ کی عقل سے مشورہ کیوں نہ لیا ۔ ہو سکتا ہے ۔ اُس وقت کوئی ایسا نابغہ روزگار یا عقل کل منصف شہود پر نہ آیا ہو ۔ اور معاذ اللہ خدا سے چوک ہو گئی ۔ کہ علامہ طبرسی کو بہت دیر بعد پیدا کیا ۔ تعجب کی بات یہ ہے ۔ کہ امیر معاویہ قریباً تین برس حضور ﷺ اللہ علیہ وسلم کے زیر تربیت رہے ۔ اور حضور ﷺ اللہ علیہ وسلم کو ایک نگاہ دیکھنے والا اور ایک لمحہ حضور ﷺ اللہ علیہ وسلم کی صحبت

میں رہنے والا تو دنیا بھر کے اولیاء اور علماء سے افضل ہو۔ اور تین برس پاس رہنے والے کو حضورؐ کی تربیت اس قابل نہ بنا سکے۔ کہ اُس پر اعتماد کیا جائے۔

دوسری حیرت کی بات یہ ہے۔ کہ امیر معاویہؓ پر عیرو سہ کرنا تو خلاف عقل ہو۔ مگر امام کا مال کے پیٹ میں ہی قرآن، تورات، انجیل، زبور یاد کر کے پیدا ہونا عین عقل کے مطابق ہو۔ پھر امیر معاویہؓ کا کاتبِ لوحی ہونا تو خلاف عقل ہو۔ مگر امام کا مال کی دائیں ران سے پیدا ہونا۔ اور ناف بریدہ پیدا ہونا عقل کے عین مطابق ہو۔ کیا کہتا اس عقل کا۔ اور کیا کہتا اُس عقل کو معیار سمجھنے والوں کا۔

جو بات کی خدا کی قسم لا جواب کی

۲-۲ معانی الاخبار۔ شیخ صدوق صفحہ نمبر ۳۴ پر ہے۔ کہ

قال ابو حمزة الشامی سمعت ابا جعفر علیہ السلام یقول قال رسول اللہ علیہ وسلم و معاویۃ یکتب بین یدیه و اھوی بیدہ الی خاسترۃ بالسیف فداک رجل متین سمع ذالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوماً وھو یخطب بالشام علی الناس	” ابو حمزہ شامی کہتا ہے۔ میں نے امام جعفر سے سنا وہ فرماتے تھے۔ کہ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب کہ امیر معاویہؓ حضورؐ کے سامنے بیٹھے کتابتِ وحی کر رہے تھے۔ اور آپ نے اُن کے پیٹ کی طرف تلوار کر کے اشارہ کر کے فرمایا۔ کہ جو شخص امیر معاویہؓ
---	---

کو امارت کے منصب پر دیکھے۔ وہ اُس کا پیٹ چاک کر دے۔ چنانچہ یہ کلام سننے والوں میں سے ایک شخص نے امیر معاویہؓ کو شام میں خطبہ دیتے

دیکھا۔ تو اُس نے اُنہیں قتل کرنے کے لئے تلوار اٹھائی۔
لوگوں نے اُسے کہا۔ کہ

اتدری من استعملہ قال لا
قالوا امیر المؤمنین۔ فقال
الرجل سمعاً وطاعة
امیر المؤمنین ۛ

” لوگوں نے اُس سے پوچھا۔ جانتے
ہو۔ اُن کو کس نے گورنر مقرر کیا ہے
کہا نہیں۔ لوگوں نے کہا۔ اُن کو عمر
فاروق نے امیر شام مقرر کیا ہے۔“

تو وہ شخص کہنے لگا۔ کہ امیر المؤمنین کے سامنے میں سر اپا سمع و طاعت ہوں
یعنی میں نے سُن لیا۔ اور قبول کیا۔“

اس روایت کچھ اُمور کی وضاحت ہوئی۔ اور کچھ معنی تیار ہوئے۔
۱۔ شیخ صدوق نے بروایت امام جعفر بیان کیا۔ اور تسلیم کیا۔ کہ حضور
کے سامنے امیر معاویہ کتابتِ وحی کر رہے تھے ۛ
۲۔ امیر معاویہ کا امیر المؤمنین بننا خدائی فیصلہ کے مطابق مُقرر ہو
چکا تھا ۛ

۳۔ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بتا دیا تھا۔ کہ میں امیر
معاویہ کو حکومت دوں گا ۛ

۴۔ حضور نے یہ حقیقت صحابہ پر واضح کر دی ۛ
یہ تو حقائق تھے۔ اب معنی دیکھئے۔

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر معاویہ کے پیٹ کی طرف اشارہ
کر کے فرمایا۔ جو اُسے امارت کے عہدے پر دیکھے۔ وہ اُس کا پیٹ چاک
کر دے ۛ

سوچنے کی بات یہ ہے۔ کہ ایسا کیوں کرے؟ کیا امیر معاویہ کا امیر والی

بننا مناسب نہیں؟ اگر ایسا ہے۔ تو کیا اللہ تعالیٰ کا فیصلہ غلط ہے؟
 کیا نبی کریم ﷺ اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے فیصلے سے راضی نہیں تھے۔ کہ
 جب یہ امیر نہیں۔ انہیں قتل کر دیا جائے؟

اگر ایسی بات ہے۔ تو اُس کا آسان طریقہ کیا یہ نہیں تھا۔ کہ حضورؐ اپنے
 سامنے اُن کو قتل کرا دیتے؟ حضورؐ کے پاس اختیار بھی تھا۔ اور اقتدار
 بھی تھا۔ تو آپؐ نے کیوں نہ خود قتل کرا دیا؟

۲:- حضورؐ کا یہ فرمان سننے والوں میں سے ایک شخص نے یہ منظر دیکھ لیا۔ مگر
 اُس نے حضورؐ کے حکم کی تعمیل کیوں نہ کی؟

یہ سن کر امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ رضی اللہ عنہ نے انہیں امیر مقرر کیا ہے اُس
 نے سر تسلیم خم کر دیا۔ تو کیا کسی صحابی کے متعلق یہ تصور کیا جاسکتا ہے۔ کہ وہ
 نبی کریم ﷺ اللہ علیہ وسلم کے حکم کو ٹال دے۔ اور حضرت عمر فاروقؓ کے
 فیصلے کے سامنے سر اپا تسلیم بن جائے؟ معلوم ہوتا ہے۔ روایت گھڑنے میں
 احتیاط نہیں کی گئی۔ اگر یہ مان لیا۔ تو اُس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ کیا لوگ
 عمر فاروقؓ سے اتنے ڈرتے تھے۔ کہ خدا و رسول کے حکم کو پس پشت
 ڈال دیا کرتے تھے؟

مکن ہے۔ کہ شیعہ حضرات یہ کہیں۔ کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے شیعہ خدا
 کا یہ عالم تھا۔ کہ حضرت عمر فاروقؓ کے سامنے دم نہ مار سکتے تھے۔ وہ دیکھتے رہے
 کہ خدا و رسول کا فیصلہ دھڑے کا دھڑا رہ گیا۔ اور عمر فاروقؓ رضی اللہ عنہ نے حضرت
 علی رضی اللہ عنہ کو خلافت کے قریب بھی نہ آنے دیا۔ تو دوسرے لوگوں کے متعلق
 بھلا کیوں تعجب ہو کہ وہ حضرت عمر فاروقؓ رضی اللہ عنہ کے ڈر سے خدا و رسول کو
 ناراض کر لینا بھی گوارا کر لیتے تھے؟

۳۔ معانی الاخبار میں شیخ صدوق نے کتابت وحی کے ضمن میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ حالانکہ وہ کاتب الوحی تھا۔ تو حضور ﷺ کے اُس حکم کی تعمیل کی گئی۔ اور اُسے قتل کر دیا گیا۔ تو اُس کی کیا وجہ ہے۔ کہ امیر معاویہ کے بارے حضور ﷺ کے حکم کی تعمیل کے لئے کوئی شخص تیار نہ ہوا؟

۴۔ شیخ صدوق اس ضمن میں لکھتا ہے۔ کہ کاتب الوحی ہونا کوئی کمال یا فضیلت نہیں۔ اگر یہ بات ہوتی۔ تو عبد اللہ مذکور کاتب وحی نہ ہوتا۔ اپنی اپنی سمجھ کی بات ہے۔ حضور ﷺ کے اسی حکم سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ کاتب الوحی ہونا بڑی فضیلت اور بڑا کمال ہے۔ کیونکہ کاتب الوحی تو خدا اور رسول کے درمیان سفارت کافر فیضہ انجام دیتا ہے لہذا ایمان اور امانت میں اُس کا قابل اعتماد اور صاحب کمال ہونا ضروری ہے۔ اگر اُس میں یہ وصف نہ رہیں۔ تو وہ کتابت تو کیا زندہ رہنے کا حقدار بھی نہیں رہتا۔ اس لئے جب عبداللہ مذکور کافر ہو گیا۔ تو حضور ﷺ نے نہ صرف کتابت وحی سے معزول کر دیا بلکہ اُسے قتل کر دینے کا حکم دیدیا۔ اور حضور ﷺ کا یہ فیصلہ امر کا ثبوت ہے۔ کہ حضرت امیر معاویہؓ، حضور ﷺ اللہ علیہ وسلم کے نزدیک کامل ایمان اور کامل الدیانت تھے۔ اسی لئے حضور ﷺ نے آخر وقت تک انہیں کاتب الوحی کے منصب پر قائم رکھا:

(۶)

کیا غیر مومن کا تب الوحی ہو سکتا ہے

حضرت امیر معاویہ کا کاتب الوحی ہونا ایک تاریخی حقیقت ہے۔ پھر بھی اگر ہٹ دھرمی کرتے ہوئے یہ کہا جائے کہ باایں ہمہ وہ مومن نہیں تھے۔ تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا اتنی بڑی دینی ذمہ داری کسی غیر مومن کو بھی سونپی جاسکتی ہے۔ اس سلسلے میں قرآن کریم سے کچھ راہ نمائی ملتی ہے :-

انما المشركون نجس فلا يقرب
المسجد الحرام بعد عامهم هذا
وه مسجد الحرام کے قریب بھی نہ آئیں :-

” حقیقت صرف اتنی ہے کہ مشرک

یہ آیت سورہ میں نازل ہوئی۔ اور سورہ میں نبی کریم ﷺ نے ہر قل ادم کو جو خط لکھا تھا۔ اُس میں آیت قرآنی یا اهل الکتاب تعالوا الی کلمۃ الخ درج تھی۔ یہ واقعہ آیت مذکورہ کے قریباً تین برس پہلے کا ہے۔ لہذا اُس وقت مشرک یا کافر کا نجس العین ہونا متعین نہیں ہوا تھا۔ پھر یہ مکتوب پورے کا پورا قرآنی عبارت نہیں تھی۔ لہذا ہر قل روم کا اُس خط کو ہاتھ لگانا اس آیت سے معارض نہ ہوگا :-

نجاست دو قسم کی ہے۔ (۱) ظاہری نجاست (۲) باطنی نجاست :-
ظاہری نجاست دھونے سے دور ہو جاتی ہے۔ مگر باطنی نجاست پانی سے دور نہیں ہوتی :-

شیخ مقداد شیعہ مفسر کی تفسیر کنز العرفان ۱/ ۴۷ پر ہے کہ
فلو غسلوا ابداً لهن سبعین مده | ” اگر کفار اپنے جسم ستر بار دھوئیں

لم یزیدوا الا نجاسة ۛ | پلیدی میں اضافہ ہی ہوگا ۔
یعنی باطنی نجاست چونکہ اعتقادی ہے اس لئے وہ ایمان کے بغیر دور
نہیں ہوتی ۛ

شیخ مقداد نے اس نجاست کے متعلق ایک قاعدہ بیان کیا ۔ کہ
”حمل مشق کی علت قیام مبدا کا ہوتا ہے ۔ جیسے سارق تب کہا جائے گا ۔
جب سرقہ اُس کے ساتھ قائم ہوگا ۔ اسی طرح مشرک کافر یا منافق تب ہوگا ۔
جب اُس میں شرک ، کفر یا نفاق پایا جائے ۔ تو اُسی صفحہ پر لکھا ۔ کہ ۛ

واعلم ان تعلیق الحكم على المشتق
يدل على ان المشتق منه علة
الحكم كقولك اكرم العلماء اى
لعلمهم ۛ

و خوب جان لو ۔ کہ حمل کرنا حکم
کا مشتق اُس پر دال ہوتا ہے ۔ کہ
اُس حکم کی علت مشتق منہیئے مصدر
ہے ۔ جیسا کہا جائے ۔ علماء کی عزت

کر ۔ تو اُس اکرام کی علت عالم کا علم ہے ۔

علماء شیعہ تو اس پر متفق ہیں ۔ کہ کافر نجس العین ہے ۔ جیسے کُتا اور
خنزیر وغیرہ ۔ چنانچہ کنز العرفان (۱/ ۴۶) طبع ایران ۛ

ان المشركين انجاس بنجاسة
عينية لا حكمية وهو مذهب
اصحابنا وروایات اهل البيت
عليهم السلام واجماعهم على
نجاستهم مشهورة ۛ

”مشرکین نجس العین ہیں ۔ اُن کی
نجاست عینی ہے ۔ حکمی نہیں ۔ یہی
مذہب ہے ۔ علماء شیعہ کا اہل
بیت کی روایات اور اُن کا اجماع
اس نجاست پر مشہور ہے ۔“

پھر صفحہ نمبر ۴۹ پر لکھتے ہیں ۔ کہ ۛ

انه لا فرق بينهم وبين الكفار
”اور مشرک اور کافر میں کوئی فرق

عندنا فی جمیع ما تقدم للاجماع فان
كل من قال بنجاسة عينا قال
بنجاسة كل كافرا
نہیں۔ جیسا کہ گزر چکا۔ اُس پر اجماع
ہے۔ کہ جس نے مشرکین کو نجس العین
کہا۔ اُس نے تمام کفار کو نجس العین
کہا۔

اُس کے ساتھ ہی شیخ مقداد نے اُس کی تائید میں حضرت ابن عباسؓ کا
قول بھی پیش کیا :-

قال ابن عباس ان اعيانهم نجسة | یعنی کافر، گستا اور خنزیر کی طرح
کا الکلاب والخنزیرہ | نجس العین ہے ۛ

جب مُشرک اور کافر کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے منع فرمایا گیا۔ تو
اُسے قرآن کے نکھنے کی اجازت کیونکر ہو سکتی ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم توجو کچھ کرتے۔ بحکم خدا کرتے تھے۔ اس گئے گزرے زمانہ میں نام کے
مسلمان بھی یہ گوارا نہیں کر سکتے۔ کہ قرآن کی کتابت کسی کافر سے کرائیں۔
تعجب ہے۔ کہ لوگ یہ بات کیونکر کہہ دیتے۔ اور سُن لیتے ہیں۔ کہ اللہ نے آخری
رسول نے اللہ کی کتاب کی کتابت کے لئے ایک کافر کو مقرر کر دکھا تھا۔
کیا یہ لوگ دینی غیرت کے اعتبار سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے
آپ سے بھی کم سمجھتے ہیں ؟

بریں عقل و دانش بیاید گریست

شیعہ مفسر فتح اللہ کاشانی نے اپنی تفسیر منہج الصادقین میں زیر آیت

لا یستہ الا المظہرون ” لکھا ہے ۛ

” معنی انیکہ مس قرآن نکند الا کسان کہ پاک باشند از شرک “

” یعنی قرآن کو وہ آدمی ہاتھ لگاٹے۔ جو شرک سے پاک ہو۔ “

پھر آیت ہے :-

فِي صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ مَّرْفُوعَةٍ
بِأَيْدِي سَفَرَةٍ كَرَامٍ بَاسِمَةٍ
المراد بصحاح الملائكة الكرام
الكتابون، والانبیاء، او کتبت
الوحی وکذا کتبت الوحی وعلما
الامة فان کلا منهم سفیر
بین الرسول والامة :

” آیت سے مراد ملائکہ ہیں۔ جو بزرگ
کاتب ہیں۔ اور حضرات انبیاء علیہم
السلام ہیں۔ اور کاتب وحی ہیں۔ اسی
طرح مراد کاتب وحی اور علماء امت
ہیں۔ کیونکہ یہ سب رسول کریم صلی
اللہ علیہ وسلم اور امت کے درمیان
سفیر ہیں۔“

اور شیخ مفسر ابو علی طبرسی اپنی تفسیر مجمع البیان میں لکھتے ہیں :-

عن الصادق علیہ السلام المراد
حافظ القرآن العامل به مع سفرة
کرام برتة :

” امام جعفر نے فرمایا۔ کہ مراد وہ
حافظ قرآن ہیں۔ جو عامل قرآن بھی
ہیں۔ اور تفسیر منج الصادقین
” ۱۹ : ۱۶۵ “

حضرت صادق فرمود کہ مراد حافظان قرآن اندو حاملان قرآن و نزد
بعض اصحاب رسول اند ۔

” یعنی امام جعفر نے فرمایا۔ کہ مراد حافظان قرآن و حاملان قرآن بھی ہیں
اور بعض نے تو اس سے مراد ہی اصحاب رسول لی ہے۔“

ان تمام روایات اور تفاسیر سے ثابت ہوا۔ کہ

۱۔ حضرت امیر معاویہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کاتب الوحی مقرر فرمایا۔ جو مسلم
فریقین ہے :

۲۔ ظاہر ہے۔ کہ حضور کے فیصلے حکم الہی کے تحت ہوتے ہیں۔ اور امیر معاویہ

کا یہ انتخاب اور تقرر من جانب اللہ تھا :

۳۔ کاتب الوحی، اللہ کے رسول اور امت کے درمیان سفیر ہوتا ہے :

۴۔ سفیر ہمیشہ قابلِ اعتماد، امین اور صالح ہوتا ہے :

۵۔ غیر مومن اور رخان ہرگز کاتب الوحی نہیں ہو سکتا :

لہذا امیر معاویہ کامل الایمان، اعلیٰ درجے کے امین اور نہایت نیک اور قابلِ اعتماد صحابی رسول تھے۔

۶۔ اُن حقائق کو تسلیم نہ کرنا، اللہ، رسول، آئمہ، علمائے امت اور اجماع

امت کی مخالفت ہے۔ اب جس کا جی چاہے یہ بوجھ اٹھالے :



(۷)

امیر معاویہؓ اور خاندان نبوتؐ حسن سلوک

امیر معاویہ نے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے ساتھ اُس حسن سلوک کا مظاہرہ کیا۔ جس کی نظیر باید و شاید۔ چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں :-

۱۔: طبری ۹۲:۶ ÷

<p>” حضرت حسنؓ نے امیر معاویہؓ سے اس شرط پر صلح کی۔ کہ وہ انہیں وہ سارا مال دے دیں۔ جو بیت المال سے لیا۔ اُس کی مقدار پچاس لاکھ تھی۔“</p>	<p>وقد كان صالح الحسن معاوية على ان جعل له مافي بيت ماله فاخذ مافي بيت ماله بالكوفة وكان فيه خمسة الاف الف ٥</p>
---	--

۲۔: تاسع التواريخ ۸۱:۶ میں حضرت حسینؓ کے ساتھ مروت کا بیان کرتا ہے :

”مقرر داشت کو ہر سال ہزار ہزار درہم از بیت المال بہ حضرت او برسد و بیرون ایں مبلغ ہموارہ خدمتش را بہ عروض و جوارز متکاثرہ میتواتر میداشت“

”امیر معاویہ کا معمول تھا۔ کہ ہر سال حضرت حسینؓ کی خدمت میں ہزار ہزار درہم بھیجتے تھے۔ اُس کے علاوہ بیش بہا تحفے تحائف بھی بکثرت بھیجتے رہتے تھے۔“

۳۔: تاسع التواريخ میں ۶: ۵۷ و ۵۸ پر ہے۔ کہ :-

یمن سے سرکاری خزانہ اُونٹوں پر لدے ہوئے ایک قافلہ کی صورت میں آیا۔ جب وہ قافلہ مدینہ منورہ پہنچا۔ تو حضرت حسینؑ نے وہ سارا مال دولت خود رکھ لیا۔ اور امیر معاویہ کو لکھ دیا۔ کہ مجھے اس مال کی ضرورت تھی لہذا میں نے رکھ لیا ہے۔ والسلام !

امیر معاویہ نے اُن کو جواب میں لکھا :-

اگر اُن (قافلہ مشتران) نے ترک کر دی تاہم آدرند آنچہ بہرہ ونعیب
تو بود درینہ داشتہ لیکن گماں می کنم اے برادرندادم ترا خیالات و مدارات
مصافات نیست و در زمان من بر تو صعب نمی افتد چہ قدر و منزلت تو
دائم و معقولید ارم پنا

”اگر آپ اس قافلہ کو میرے پاس آنے دیتے۔ تو اس میں جو کچھ آپ کا حصہ ہوتا۔ میں اُس سے دریغ نہ کرتا۔ لیکن اے جان برادر !

میرا خیال ہے۔ کہ آپ آمادہ مخالفت نہیں۔ اس لئے جب تک میں زندہ ہوں۔ اور آپ کو اس اقدام پر بھی معاف کرتا ہوں۔“

ذرا یہ نقشہ چشم تصور کے سامنے لائیں۔ کہ سرکاری خزانہ آ رہا ہے۔ اور ایک شخص تمام مال روک لیتا ہے۔ ایسی صورت میں گورنمنٹ کا رویہ کیا ہو سکتا ہے۔ اور ہونا چاہیئے۔ مگر قربان بائیئے۔ امیر معاویہ کی اہل بیت نوازی کا کہ نہ صرف معاف کر دیا۔ بلکہ ضمانت دے دی۔ کہ آپ کو میری زندگی میں کوئی تکلیف پیش نہیں آئے گی۔ صاحب التواریخ خود شیعہ ہے۔ مگر حقائق کو چھپانہ سکا پنا

۴۔ تلخیص ثنائی ابو جعفر طوسی صفحہ نمبر ۴۶۹ پر ہے :-

انه لا خلاف ان الحسن بايع | اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ کہ

مُعَاوِيَةُ وَسَلَّمُ الْأَصْرَالِيَهُ وَ خَلَعَ
نَفْسَهُ وَ أَخَذَ الْعَطَايَا عَنْهُ ۝
جَوَازُهُ ۝

حضرت حسن نے امیر معاویہ کی
بیعت کی۔ اور خلافت اُن کے
سپرد کر دی۔ اور خود اُس سے

دست بردار ہو گئے۔ اور امیر معاویہ سے عیلتے اور تحائف لےئے۔

۵۔ فتح الباری (۵۰: ۱۳) میں ہے :-

وَاجَازُ مُعَاوِيَةَ الْحَسَنِ ثَلَاثُ مِائَةِ
أَلْفٍ دِرْهَمٍ وَ أَلْفُ ثَوْبٍ وَ ثَلَاثِينَ
عَبْدًا وَ مِائَةَ جَمَلٍ وَ أَنْصَرَفَ إِلَى
الْمَدِينَةِ ۝

۝ اور امیر معاویہ نے حضرت حسنؓ کو
تین لاکھ درہم ایک ہزار جوڑہ
کپڑے ۳۰ غلام اور ایک ستوا
اونٹ دیا۔ اور حضرت حسنؓ یہ

لے کر مدینہ طیبہ چلے گئے :

۶۔ مناقب شہر بن آشوب (۳۳: ۴) طبع قم ہے :- کہ

وَيُوقَرُ عَلَيْهِ حَقُّهُ كُلِّ سَنَةٍ
خَمْسُونَ أَلْفَ دِرْهَمٍ فَعَاهَدَ كَ
عَلَى ذَلِكَ وَ حَلَفَ بِالْوَفَاءِ بِهِ ۝
نَعَى بِقَيْدِ عِلْفٍ يَهْ مَعَابِدَهُ كَمَا ۝

۝ حضرت حسن نے امیر معاویہ سے
ہمدلیا۔ کہ مجھے ہر سال ۵۰ ہزار
درہم دیں گے۔ پس امیر معاویہؓ

ان تاریخی حقائق سے صاف ظاہر ہے۔ کہ امیر معاویہؓ نے حضرات
حنین کے ساتھ کس درجے کی تسددانی اعزازات افزائی اور ایثار و قربانی
کا سلوک کیا۔ اور اُن کی زیادتیوں پر کس قدر عفو و درگزر کا معاملہ
کیا۔ اُس کی نظیر دنیا کے حکمرانوں کے ہاں کہیں نہیں ملے گی :

(۸)

جنگِ صفین

یہودی سازش کے تحت صدیوں کے مسلسل پروپیگنڈا سے امیر معاویہ کے محاسن اور مناقب پر دیر پردے ڈالنے کی کوشش جاری رہی۔ مگر نادانوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ الزام تراشیوں کا تھوک کاروبار بھی ساتھ شروع کر دیا۔ اب ہم اُن الزامات کے سلسلے میں حقائق پیش کرتے ہیں :

امیر معاویہ پر جو بہتان باندھے گئے۔ اُن میں سے ایک نمایاں بہتان یہ ہے۔ کہ انہوں نے خلیفہ راشد کے خلاف جنگ کیوں کی۔ اس ضمن میں سب سے پہلے ہم یہ دیکھتے ہیں۔ جنگ کی وجہ اور بنیاد کیا تھی۔

۱:- بیج البلاغہ مع شرح میثم بحرانی ۱۹۴۵ء :- کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک گشتی چٹھی :-

<p>کتبہ الی اهل الامصار یقیناً فیہ ما جدی بینہ و بین اهل صفین وکان بدا امرانا التقینا والقوم من اهل الشام والظاہر ان ربنا واحد ونبینا واحد و دعوتنا فی الاسلام واحدة ولا نستزید احد فی الایمان باللہ والتصدیق برسولہ</p>	<p>”حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تمام شہریوں کے لئے ایک گشتی مراسلہ لکھا۔ کہ صفین میں ہمارے اور اہل شام کے درمیان جو جنگ ہوئی۔ اُس سے کوئی غلط فہمی نہ ہو۔ کیونکہ ہمارا ایک ہے۔ نبی ایک ہے۔ ہمارا دعوتِ اسلامی ایک ہے۔ ہم</p>
--	---

ولا یستزیدوننا، الامر واحد
الا ما اختلفنا فیہ عن د م
عثمان ۛ

شامیوں کے مقابلے میں اور اللہ و
رسول پر ایمان و یقین میں زیادتی
کا دعویٰ نہیں کرتے نہ وہ ہمارے

مقابلہ میں یہ دعویٰ کرتے ہیں۔ اللہ و رسول پر ایمان میں ہم اور وہ برابر
ہیں۔ اختلاف صرف قتل عثمان میں ہے۔ اور یہی تنازعہ کی وجہ ہے۔

۲۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس چٹھی سے بنیادی طور پر تو یہ بات ثابت ہوئی۔ کہ
امیر معاویہ نہ تو خلافت کے مدعی تھے۔ نہ انہوں نے حکومت چھیننے کے
لئے یہ جنگ لڑی۔ بلکہ اُس کی وجہ حضرت عثمان کے قصاص کا مطالبہ تھا۔
اور یہ ہر متعلقہ انسان کا قانونی حق ہے ۛ

ضمناً چند ایک اور امور بھی واضح طور پر سامنے آ گئے ۛ

۱۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس امر کا اعلان کیا۔ کہ امیر معاویہ کے ایمان اور
ہمارے ایمان میں کوئی فرق نہیں۔ اگر کسی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کوئی واقعی تعلق
ہے۔ تو اُسے حضرت کی یہ بات ماننے میں پس و پیش نہیں کرنا چاہیے۔
اور اگر اسی پر اصرار ہو۔ کہ امیر معاویہ ایسا ہی مجرم ہیں۔ تو حضرت علی رضی
اللہ عنہ کے مطابق وہ دراصل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایمان کی نفی کر رہا ہے
کیونکہ ان کا اعلان ہے۔ کہ ایمان میں ہم برابر ہیں۔ لہذا اگر امیر معاویہ
ایمان سے خالی ہیں۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ان کے برابر ہوئے۔ ۛ

۲۔ اس گشتی مراسلہ بھینے کا محرک کیا ہے۔ تو اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ حضرت
علی رضی اللہ عنہ کی فوج نے امیر معاویہ اور اہل شام کو برا بھلا کہنا شروع کیا تو
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپس میں بیہودگی سے روکنے کے لئے حقیقت بتادی۔ اس
سے ظاہر ہوا۔ کہ یہ جو امیر معاویہ پر بہتان ہے۔ کہ منبر پر حضرت علی کو

بُرا بھلا کہا جاتا تھا۔ یہ دراصل اپنے اُس گھناؤنے فعل پر پردہ ڈالنے کی کوشش ہے۔ کہ بُرا بھلا کہنے کی ابتداء شیعان علی کی طرف سے ہوئی۔ اور اس سلسلے میں اب تو وہ معذور ہیں۔ کیونکہ جب گالی دینا عبادت ٹھہرا۔ تو آدمی کیوں نہ چھاجوں ثواب کمائے۔

۲-۲: نہج البلاغہ کی شرح درۃ النجفیہ صفحہ نمبر ۳۰۱ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس اعلان کی تائید ہے۔ وہ یوں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ کی وجہ پوچھی گئی۔ تو آپ نے فرمایا:-

قتال معاویہ لست اقاتلہ لانی	■ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ حضرت
افضل منہ ولکن اقاتلہ لیدفع	علی رضی اللہ عنہ سے میری جنگ اُس بناء پر
الی قتلتہ عثمان رضی اللہ عنہ	نہیں ہوئی۔ کہ میں اُن سے افضل ہوں

بلکہ اس لئے ہوئی۔ کہ وہ حضرت عثمان کے قاتل میرے حوالے کریں۔

دونوں عبارتیں نہج البلاغہ کی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں۔ میں امیر معاویہ سے افضل نہیں ہوں۔ امیر معاویہ فرما رہے ہیں۔ میں حضرت علی سے افضل نہیں ہوں۔ اور دونوں نے جنگ کی وجہ قصاص عثمان قرار دیا ہے۔ یعنی یہ کوئی کفر و اسلام کی جنگ نہیں تھی۔ بات تو صاف ہے۔ مگر یار لوگ کہتے ہیں۔ کہ نہج البلاغہ میں حضرت علی کے خطبہ نمبر ۱۶ سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضرت علی نے صرف اُن کے ظاہری اسلام کی بات کی تھی۔ باطن میں تو وہ مسلمان نہیں تھے۔

قال ما اسلموا ولکن استسلموا	■ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ وہ مسلمان
واسدوا الکفر فلما وجدوا اعوانا	نہیں ہوئے۔ بلکہ ظاہری طور پر اسلام
علیہ اظهروا	کومان لیا۔ اور اُن کے باطن میں کفر

پوشیدہ ہے۔ جب انہوں نے کفر میں مددگار پائے۔ تو کفر کو ظاہر کر دیا۔
تمام شارحین ہیج آلبسلاخ نے یہی اعتراض یا تاویل کی ہے۔ اُس کے جواب
میں پہلی بات تو یہ ہے۔ کہ یہ تکلف خواہ مخواہ کیا گیا ہے۔ آسان بات یہ تھی۔ کہ
کہہ دیتے۔ کہ حضرت علی رضی نے تفتیہ کیا تھا۔ اُس کا کیا جواب ہوتا ؟

دوسری بات یہ ہے۔ کہ ہیج آلبسلاخ نے الحاقی کلام کا ہونا یہ تحقیق کو
پہنچ چکا ہے۔ ایسی غیر فصیح عبارتیں موجود ہیں۔ جو حضرت علی جیسے فصیح عرب
کی زبان سے کسی طرح ادا نہیں ہو سکتیں ؟

تیسری بات یہ ہے۔ کہ اگر اُسے الحاقی کلام نہ مانا جائے۔ تو یہ قول عمار کا ہے۔
جیسے درۃ النجفیہ صفحہ نمبر ۳۴ پر حضرت علی کے ساتھ عمار کا قول موجود ہے۔
چوتھی بات یہ ہے۔ کہ یہ خطبہ اُس وقت کا ہے۔ جب جنگ شروع نہیں
ہوئی تھی۔ اور گشتی مراسلہ جنگ کے بعد کا ہے۔ اور صلح ہونے کے بعد کا ہے
لہذا حضرت علی رضی کی یہ شہادت پہلے بیان کی تاسیح ہے ؟

اب ذرا ظاہری اور باطنی ایمان پر اصولی بات کی جائے :-

۱- ہم ظاہری شریعت کے مکلف ہیں۔ حضرت علی رضی نے امیر معاویہ کے
ظاہری ایمان کی شہادت دے دی۔ عقیدہ باطنی چیز ہے۔ جس کی
حقیقت معلوم کرتا انسان کے بس کی بات نہیں ؟

۲- حضرت علی رضی جب یہ اعلان کیا۔ کہ ہم اور اہل شام ایمان میں برابر
ہیں۔ تو دوسری توجیہ کے مطابق مطلب یہ ہوگا۔ کہ حضرت علی رضی فرماتے
ہیں۔ کہ معاذ اللہ جیسے میں ظاہر میں مسلمان ہوں۔ ویسے امیر معاویہ رضی
بھی مسلمان ہیں۔ اور جیسے میں باطن میں ایمان سے خالی ہوں۔ ویسے امیر
معاویہ بھی باطن میں ایمان سے خالی ہیں ؟

۳- پھر جو آپ نے فرمایا۔ ”ربنا واحد“ تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ حضرت

علیؑ نے فرمایا۔ کہ ظاہر میں ہمارا رب ایک ہے۔ باطن میں ایک نہیں۔

ظاہر میں رسول ایک ہے۔ باطن میں مختلف ہیں۔ ظاہر میں ہم اسلام کی

دعوت دیتے ہیں۔ باطن میں ہم منکر ہیں۔

اصل بات یہ ہے۔ کہ بھائیو! حضرت علیؑ کے اس مراسلہ نے تمام چور

اور دواڑے بند کر دیئے ہیں۔ امیر معاویہؓ کے ایمان کی تہہ کرنا دراصل حضرت

علیؑ کے ایمان کی نفی کا اعلان ہے۔

۴- نہج البلاغہ (۲: ۱۰۵)

قد افتح باب الحرب بینکم و | ”تمہارے اور اہل قبلہ کے درمیان

بین اہل القبلة ۛ | لڑائی کا دروازہ کھل گیا ہے۔“

حضرت علیؑ نے تو بات صاف کر دی۔ مگر اہل قبلہ کی اصطلاح کا مفہوم

کہیں سے ڈسوزنا پڑے گا۔ کیا اسلامی تاریخ میں یا دینی لٹریچر میں اہل قبلہ کی

اصطلاح کفار کے لئے استعمال ہوئی ہے؟

اگر ایسا نہیں اور یقیناً نہیں۔ تو امیر معاویہؓ کو ایمان سے ظالم ثابت کرنے

کے بنوایں میں حضرت علیؑ کی مخالفت کیوں مںوا لی جا رہی ہے؟

یہ حرکت حب علیؑ تو ہرگز نہیں۔ کیونکہ اس میں حضرت علیؑ کی مخالفت

اس سے ظاہر ہے۔ البتہ بغض معاویہؓ کی قبیل سے ضرور ہے۔ اور جہاں بغض

ہو۔ وہاں انصاف کہاں ہوتا ہے۔ بلکہ وہاں تو مغربیوں کا یہ اصول کارفرما

ہوتا ہے۔ کہ :-

”Every thing is fair in love or war“

اُن مہمان علیؑ کی قدر و قیمت خود حضرت علیؑ نے متعین فرمادی :-

نبیج ابلاغہ (۱۸۹۲ء)

قال لو سدت والله ان معاوية
صارفتي بكم صرف الدينار
بالدراهم فخذ مني عشرة
منكم واعطاني رجلاً منهم
درہم لینا پڑے۔ پس امیر معاویہ تم میں سے دس شیعہ مجھ سے لے لے۔
اور اپنا ایک آدمی مجھے دے دے۔

واقعی فضلاء کی باتیں سہل تمنع کی قسم کی ہوتی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ امیر معاویہ کی جماعت کے افراد کو سونے سے تشبیہ دی۔ اور اپنے شیعیان علی رضی اللہ عنہ کو چاندی قرار دیا۔ پھر باہمی تجارت کا رخ بھی بنا دیا۔ کہ میرے دس شیعہ لے کر اگر امیر معاویہ اپنا ایک جان نثار دے دے۔ تو میں نفع کا سودا سمجھوں گا۔

اس ایک اور دس کی نسبت میں بھی کوئی حکمت معلوم ہوتی ہے یہ نہیں کہ اللہ ٹپ جو سد زبان پر آگیا۔ آپ نے کہہ دیا۔ بلکہ انہوں نے غالباً قرآن کریم سے یہ نکتہ لیا۔ اس میں بیان ہوتا ہے :-

ان یکن منکم عشرون و
صایسون یغلبوا مائتین
تمہارے بیس آدمی کفار کے دو
سو پر غالب آجائیں گے۔

معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسی آیت سے اشارہ پا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سوے کی آرزو کی :

اس سے ایک اور بات بھی ظاہر ہوتی ہے۔ کہ گشتی مراسلہ میں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا۔ کہ ان کا اور ہمارا ایمان برابر ہے۔ تو اس سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ

کی ذات اور حضرت معاویہؓ کی ذات ہے۔ ورنہ جہاں تک شیعان علی اور شامی فوج کے ایمان کا تعلق ہے۔ وہاں تو ایک اور دستس کی نسبت ہے۔ یعنی اہل شام شیعان علی کے مقابلے میں دستس گنا زیادہ صاحب یقین، وفادار، ایثار پیشہ، صادق القول اور ایمین تھے۔ ادھر تو بڑا حصہ دینِ یقینہ میں ہی مضمر ہے۔ حق و صداقت کے لئے تو باقی بڑا ہی رہ گیا ہے۔

۲-۲: دوسرا بڑا الزام یہ ہے کہ امیر معاویہؓ باغی تھے۔

اس الزام کے جواب میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ باغی کی تعریف میں یہ عنصر شامل ہے کہ وہ حکومت کے بنیادی دستور کو تسلیم نہ کرے۔ اور حکمران کی مخالفت اس بنا پر کرے کہ اپنے آپ کو حکومت کے لئے اُس کے مقابلے میں زیادہ مستحق سمجھے۔ اور اُس سے خلافت چھیننا چاہے۔ لیکن امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان جو جنگ ہوئی۔ اُس کا سبب اُن میں سے کوئی بات بھی نہیں تھی۔ امیر معاویہؓ نے اعلان کیا کہ میں تو قصاص عثمانؓ کا مطالبہ کر رہا ہوں۔ اور حضرت علیؓ نے خود گشتی مراسلہ میں وضاحت کر دی کہ ہمارا اختلاف صرف دم عثمان میں ہے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب فریقین وضاحت کر رہے ہیں۔ مہیاں بغاوت کا کوئی سوال نہیں۔ بلکہ قصاص عثمان میں اختلاف کی وجہ سے یہ حادثہ رونما ہوا۔ تو کوئی تمیز آدمی یا گروہ دہائی دینے لگے۔ کہ نہیں یہ بغاوت ہے۔ بات وہی ہوئی ہے۔ کہ

”من چہ می سر ائم و ظنورہ من چہ می سر اید“

بھائیو امیر معاویہؓ سے تمہیں بغض بھی۔ حضرت علیؓ کا تو کچھ حیا کرو۔ اور انہیں کیوں جھوٹا کہتے ہو۔ جس کے ساتھ بیٹی۔ وہ تو حقیقت سے نا آشنا

رہے۔ اور تمہیں بذریعہ وحی حقیقت سے آگاہ کیا گیا۔

خدا سے تمہارا کوئی حتمی رشتہ ہے۔ یا اس کی وجہ یہ ہے کہ تو کون؟

میں خواہ مخواہ ۛ

دوسری بات یہ ہے کہ امیر معاویہؓ کے باغی نہ ہونے کی دلیل خود خود قرآن کریم

میں موجود ہے :-

فان بغت احدا صاعدا علی الاخذی	» اگر ایک جماعت دوسری جماعت کے
فقاتلوا الّتی تبغی تعیی الی	خلافت بغاوت کرے۔ تو اُن سے
امر اللہ ۛ	اس وقت تک لڑو۔ جب تک کہ

وہ خدا کے حکم کی طرف لوٹ نہ آئے ۛ

اس آیت کی روشنی میں ذرا حالات کا جائزہ لیجئے :-

اول جنگ شروع ہوئی۔ جس کی وجہ: قصاص عثمانؓ کا مطالبہ تھا ۛ

دوم جنگ ختم ہو گئی۔ اور ختم بھی صلح پر ہوئی ۛ

سوال یہ ہے۔ کہ کیا امیر معاویہؓ اپنے مطالبے سے دستبردار ہو گئے؟

اگر نہیں تو حضرت علیؓ نے جنگ بند کیوں کی؟

انہوں نے خدا کے حکم کو پس پشت کیوں ڈال دیا؟

قرآن کی رو سے اُن کا فرض تھا۔ کہ اس وقت تک جنگ جاری رکھتے۔

جب تک امیر معاویہؓ خدا کے حکم کی طرف لوٹ نہ آئے۔ اور تائب ہو

جلئے ۛ

لہذا حضرت علیؓ کے جنگ بند کرنے اور صلح کر لینے سے یہ ثابت ہو

گیا۔ کہ امیر معاویہؓ باغی نہیں تھے۔ اور شیعہ کے نزدیک فعلِ اِمام تو نص

ہوتا ہے۔ لہذا فعلِ ابوالائمہؓ تو امیر معاویہؓ کے باغی نہ ہونے پر نص

قطع ہے :

پھر اُس صلح کے بعد امیر معاویہ کا حضرت علی سے جس حسن سلوک کا اظہار ہوا۔ وہ بجائے خود اُس الزام کی نمایاں تردید ہے۔ فیصلہ کے بعد حضرت علی کے پاس تو صرف کوفہ اور حجاز رہ گیا تھا۔ اور اُس چھوٹی سی سلطنت کی حفاظت کے لئے جو جان نثار فوج حضرت علی کے پاس موجود تھی۔ اُس کی جان نثاری کا یہ عالم تھا۔ کہ حضرت علی دس دے کر امیر معاویہ سے ایک لینے کو نفع کا سودا سمجھتے تھے۔ تو اُن حالات میں اگر امیر معاویہ چاہتے تو چند دنوں میں حضرت علی سے یہ علاقہ بھی لے لیتے۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا :

تیسری بات یہ ہے۔ کہ حضرت حسنؑ نے اپنی آزاد مرضی سے خلافت کے حقوق امیر معاویہ کو سونپ کر ثابت کر دیا۔ باغی تو کیا ہوئے منصوبی خلیفہ ہیں :

جب حضرت حسنؑ نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ تو شیعہ کے نزدیک امام کا یہ فعل امیر معاویہ کی خلافت پر نفی ہوا :

امیر معاویہ کو باغی کہنے والوں کو قرآن کا واسطہ دینا تو بے سود ہے کیونکہ قرآن سے اُن کا کوئی تعلق نہیں۔ وہ اُس قرآن کو کتاب الہی تسلیم نہیں کرتے۔ البتہ اُن سے یہ کہنا۔ اُن کی خیر خواہی کی وجہ سے ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت علیؑ اور حضرت حسنؑ کا تو کچھ حیا کرو۔ اُن کے فعل سے برأت کا اظہار کر کے۔ انہیں کیا منہ دکھاؤ گے۔ :

قرآن کریم کی اس آیت کے پہلے حصے سے ضمناً ایک اور بات بھی ثابت ہوتی ہے۔ الفاظ مبارک ہیں :

وان طائفتان من المؤمنین | یعنی پانی کو قرآن کریم مؤمن قرار
اقتتلوا فاصلحوا بینہما ۛ | دیتا ہے۔ لہذا اگر بغض معاویہ
کی وجہ سے آدمی امیر معاویہ کو باغی کہنے سے باز نہ آ سکے۔ تو بھی انہیں مؤمن
کہے بغیر چارہ نہیں۔ ہاں آدمی قرآن کا منکر ہو۔ تو اُس سے کچھ بعید نہیں
ہو چاہیے۔ کہتا پھرے ۛ

۳۔ ۛ امیر معاویہ پر تیسرا الزام یہ ہے۔ کہ انہوں نے یزید کو خلیفہ کیوں بنایا۔
اُس نے حضرت حسین کو شہید کیا۔ خاندانِ رسول کو برباد کیا۔ اُس ظلم کی
فتمہ داری امیر معاویہ پر ہے۔“

اس الزام پر کئی پہلوؤں سے غور کیا جاسکتا ہے :-

(۱) خلافت راشدہ کی یہ خصوصیت رہی ہے۔ کہ ہر خلیفہ سابقہ خلیفہ کی
اقتدار کرے۔ خلفائے ثلاثہ نے یہ معمول بنائے رکھا۔ کہ اپنے
بعد اپنے کسی رشتہ دار کو خلیفہ نہیں بنایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلے خلیفہ ہیں۔ جنہوں
نے خلفائے راشدین کی اُس سنت کو ختم کر کے اپنے بیٹے کو اپنے بعد
خلیفہ بنایا ۛ

(۲) حضرت حسن نے اپنے والد کی سنت کے خلاف کرتے ہوئے نہ تو اپنے
بھائی کو خلیفہ بنایا۔ نہ اپنے بیٹے کو بلکہ امیر معاویہ کی بیعت کر لی ۛ
یعنی حضرت حسن نے اپنے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سنت سے ہٹ گئے۔ گویا
اپنے والد کی نافرمانی کی۔ اور اپنی اولاد کو خلافت سے محروم بھی کر دیا ۛ
(۳) امیر معاویہ پہلے شخص ہیں۔ جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سنت پر عمل کرتے
ہوئے اپنے بیٹے کو خلیفہ بنایا۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سنت پر عمل کرنا بُری
بات ہے۔ تو واقعی امیر معاویہ قصور وار ٹھہرتے ہیں ۛ

۴- اگر یہ کہا جائے کہ امیر معاویہؓ نے خلفائے ثلاثہ کی سنت کو توڑا

ہذا وہ مجرم ہیں۔ تو اُس کا کیا بنے گا۔ کہ یہ جرم تو اُن سے پہلے حضرت علیؓ نے کیا۔ اور اپنے والد کی سنت کی خلاف ورزی کرنے کا جرم حضرت حسنؓ کر چکے تھے۔ پھر اُن کو مجرم نہ سمجھنے کی دلیل کیا ہے؟

یہی یہ بات کہ یزید نے جو ظلم کیا۔ اُس کے ذمہ دار امیر معاویہؓ ہیں۔ تو اُس سلسلے میں ذرا سی اور گہرائی میں جانے کا نتیجہ مختلف نوعیت کا ظاہر ہوگا۔ مثلاً:-

”شیعہ کی مستند کتاب اصول کافی میں موجود ہے۔ کہ امام کے لئے شرط ہے کہ وہ عالم ماکان و مایکون ہو۔ اور اصول کافی میں ایک پورا باب موجود ہے۔ کہ:-

الائمة يعلمون متى يموتون | اماموں کو علم ہوتا ہے۔ کہ کب مریں گے
ولا يموتون الا باختيارهم | اور وہ خود اپنے اختیار سے مرتے
ہیں یعنی اگر مرنا نہ چاہیں۔ نہ مریں گے۔“

”اس اصول کی روشنی میں بات کچھ اس طرح بنتی ہے۔“

۱- حضرت حسنؓ کو علم ہوگا۔ کہ امیر معاویہؓ اپنے بعد یزید کو خلیفہ بنائیں گے۔ اور یہ بھی علم ہوگا۔ کہ یزید اُن کے بھائی کو بے رحمی سے شہید کرائے گا۔ تو انہوں نے امیر معاویہؓ کو حکومت کیوں دے دی۔ جب دے دی۔ تو شہادت حسینؓ کے ذمہ دار تو حضرت حسنؓ ہیں۔ نہ امیر معاویہؓ ہے اور نہ یزیدؓ

۲- حضرت حسنؓ کو اپنی موت پر خود اختیار جو تھا۔ تو یزید کے مرتے کے بعد مرتے۔ انہوں نے اپنے اختیار کو کیوں نہ صحیح استعمال کیا۔

اتنا پہلے مرنا قبول کر کے یزید کو خلیفہ بننے کا موقعہ دیا۔ تو یزید کے تمام مظالم کے ذمہ دار تو حضرت حسنؓ ہیں :

۳۔ حضرت علیؓ تو ابوالائمہ ہیں۔ عالم ماکان و مایکون تو ضرور ہوں گے انہیں علم ہوگا۔ کہ میرا بیٹا حسن اپنی مرضی سے خلافت امیر معاویہؓ کو دے دے گا :

انہیں یہ بھی علم ہوگا۔ کہ امیر معاویہؓ اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ بنادیں گے۔ اور وہ میری اولاد کو بے رحمی سے قتل کرائے گا :

جب یہ علم تھا۔ تو حضرت علیؓ نے اپنے بیٹے حضرت حسنؓ کو خلافت کیوں دی۔ اس وجہ سے تو یزید کے تمام مظالم کے ذمہ حضرت علیؓ رہ گئے۔

۴۔ بقون شیخ، رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو خلیفہ بنایا تھا۔ اسی اصول مذکورہ کے تحت یزید کے تمام مظالم کی ذمہ داری تو نبی کریمؐ پر آتی ہے :

۵۔ واقعات کا مطالعہ کیا جائے۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت حسینؓ کو ان لوگوں نے قتل کیا۔ جنہوں نے ان کو خطوط لکھ کر کوفہ بلایا۔ ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ جو شیعیان علیؓ تھے۔ وہی حضرت حسینؓ کے قاتل تھے۔ امیر معاویہؓ یا یزیدؓ نے حضرت حسینؓ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں۔ بلکہ ان کی سنت قدیمہ ہے۔ حضرت حسنؓ کے قاتل وہی ہیں۔ جنہوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ حضرت علیؓ کا قاتل وہی ہے۔ جس نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ تو اپنے آئمہ کو قتل کرنا شیعیان کرام کی سنت قدیمہ ہے۔ جیسے یہود کی خصوصیت

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے۔ کہ :-

”ذَیْقَتْلُوْنَ التَّیِّبِیْنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ ۝“

”اُس الزام کو مزید تقویت دینے کے لئے کہا جاتا ہے۔“ کہ

”جب یزید فاسق و قاجر تھا۔ تو امیر معاویہؓ نے اُسے کیوں خلیفہ بنایا۔“

ولی عہد یا خلیفہ مقرر کرنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔

اول صاحبِ الرائے لوگوں سے مشورہ لیا جائے۔ اور اس پر عمل کیا جائے اس

سلسلے میں تاریخی حقائق کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

خلافتِ راشدہ کا دور حضرت حسین پر ۳۰ برس میں ختم ہو چکا ہے۔ اُس کے

بعد حکومت عادلہ کا دور ہے۔ جس بنا پر امیر معاویہؓ کو حاکم عادل سے تعبیر

کیا جاتا ہے ؟

”سَابِقُونَ الْاَوَّلُونَ“ اور ہمایوں و انصارِ صحابہؓ دنیا سے رحلت ہو

چکے تھے۔ نوجوان نسل میدان میں آپکی تھی۔ جن کی رائے میں سنجیدگی اور دور

اندیشی کے مقابلے میں جذباتیت یا خواہش کا رنگ غالب تھا۔ لہذا اُن کی

رائے لینے میں یہ خطرات موجود تھے ؟

دوسری صورت یہ تھی۔ کہ امیر معاویہؓ اپنے اجتہاد سے کام لے کر خلیفہ

مقرر کریں۔ اس صورت میں یہ امور قابلِ لحاظ ہیں ؟

اول امیر معاویہؓ حضور ﷺ کے جلیل القدر صحابی تھے۔ اور

برسوں حضور ﷺ علیہ وسلم کے زیر تربیت رہے۔ حضورؐ نے اُن کی

دیانت و امانت پر امتداد کرتے ہوئے اُنکو کاتبِ الوحی مقرر فرمایا تھا ؟

دوم آپؓ میں انتظامی صلاحیتیں اور ائمہ سلطنت کا فہم اُس درجے کا

تھا کہ مرفاروق بیہ خلیفہ راشدہ آپؓ کو گورنر مقرر کیا۔ آپ ۲۰ برس

تک گورری کرتے رہے :

سوم آپ نے ۲۰ برس تک مستقل حکمران کی حیثیت سے حکومت کی۔ اور سلطنت کی وسعت، نظام اور ترقی کے اعتبار سے قابل قدر ریکارڈ قائم کیا۔ چہاں امیر معاویہ کے خلوص اور حضرت حسین کے ساتھ تعلقات اس اس وصیت سے ظاہر ہوتے ہیں۔ جس کا علامہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں ذکر کیا ہے۔ یہ سند عطیہ بن قیس مروی ہے۔ کہ یزید کو ولی عہد بنانے کے بعد یہ وعاء کی :-

<p>” الہی اگر میں نے یزید کو حکومت کا اصل سمجھ کر ولی عہد بنایا۔ تو میں نے جو امیر ہیں اس کے ساتھ وابستہ کی ہیں۔ پوری فرمانا۔ اور اگر محض محبت پدری کی وجہ سے ایسا کیا۔ تو اُسے وقت آنے سے پہلے ہی موت دے دینا“ :-</p>	<p>اللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ اَنْتَا عَمْدَت لِیَزید لِمَا رَأیت مِنْ فَضْلِهِ فَبَلِّغْهُ مَا اَصْلَتْ وَ اَحْتَدِ وَاِنْ كُنْتَ اَنْتَا حَصْنًا حَبِ الْوَالِدِ لَوْلَا وَاَنْتَ لَیْسَ لِمَا صَنَعْتَ بِہِ اَهْلًا فَاَقْبِضْہُ قَبْلَ اَنْ یَبْلُغَ ۛ و دے دینا :-</p>
--	---

حالات کے اس تقابل کو دیکھ کر عقل عامہ کا فیصلہ کیا ہے۔ کیا امیر معاویہ کی رائے زیادہ وزنی ہونی چاہیے۔ یا اس نوجوان نسل کی رائے زیادہ ہے۔ جس کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ ظاہر ہے۔ کہ ایک صحابی، مجتہد اور تجربہ کار حکمران کی رائے کا وزن زیادہ ہے۔ ہاں امیر معاویہ ان تمام اوصاف کے باوجود نہ تو فرشتہ تھے۔ نہ نبی معصوم تھے۔ اور نہ تقیہ باز تھے۔ لہذا ان کی رائے میں غلط ہونا غیر ممکن نہیں۔ اسی لئے اصول ہے۔ کہ مجتہد اپنے اجتہاد میں صواب کو پہنچا۔ تو اُسے دوہرا ثواب ملے گا۔ اگر اجتہاد میں غلطی

کی۔ تو اکہرا ثواب ہوگا۔ پھر آپ مجتہد کے علاوہ صحابی بھی تھے۔ اور صحابی سب عدول ہیں۔

یہی بات کہ یزید قاسق و فاجر تھا۔ تو اس کے متعلق تاریخی حقیقت یہ ہے۔ کہ ولی عہدی کے وقت نہ وہ قاسق فاجر تھا اور نہ وہ شرابی تھا۔ البتہ اس کے خلاف جو پروپیگنڈا کی ہم چلائی گئی۔ تو یہ بات زبان زد عام ہو گئی۔ ابن کثیر نے البتہ ایہ والنہایہ (۸: ۲۳۳) پر ایک حقیقت بیان کی ہے:-

”حضرت عبداللہ بن مطیع جو عبداللہ بن زبیر کا داعی تھا۔ کچھ اپنے ہم خیال لوگوں کو لے کر محمد بن حنفیہ بن علی ابن ابی طالب کے پاس مدینہ گیا۔ یہ لوگ انہیں اپنا ہم خیال بنانا چاہتے تھے تاکہ یزید کو خلافت سے ہٹا دے۔ محمد بن حنفیہ نے اس سے انکار کر دیا۔ اس پر عبداللہ بن مطیع نے کہا۔ کہ یزید شراب پیتا ہے۔ تم ازہیں پڑھنا۔ کتاب اللہ کے احکام میں تعدی کرتا ہے محمد بن حنفیہ نے جواب دیا۔

میں شام میں یزید کے پاس رہا ہوں میں نے اس میں ان میں سے کوئی کام نہیں دیکھا۔ جن کا تم ذکر کرتے

ان عبد اللہ ابن مطیع داعیۃ ابن زبیر مشی فی المدینہ مع اصحابہ الی محمد بن علی بن ابی طالب المعروف بابن الحنفیہ فارادوہ علی خلع یزید فابی علیہم فقال ابن مطیع ان یزید یشرب الخمر ویترك القبوۃ ویتعدی حکم الکتاب فقال لهم ما رأیت منه ما تذکرونہ وقت حضرته واقمت عندہ فدرأیتہ مواعظاً علی القبوۃ مختریاً للخیبر یسأل عن الفقه مسللاً ما للسنة قالوا فان ذالك کان منه تمنعاً لك فقال ما لذی خاف منی اور جاء حتی یرطہر الی الخشوع و اذا طلعت علی ما تذکرون من

شرب الخمر قلن کان اطلعکم علی
ذالک انکم شرکاء وان
لم یکن اطلعکم فما یحل
لکم ان تشهدوا بما لم تعلموا
قالوا عندنا الحق وان لم نکن
رأیناه فقال لهم ابی اللہ ذالک
علی اصل الشہادۃ فقال تعالیٰ
الا من شهد بالحق وهم یعلون
ولست اصرکم فی شیء ۛ

ہو۔ میں نے اُسے دیکھا۔ کہ نماز کا
پابند ہے۔ ہرنیکی کو جمع کرنے والا
ہے۔ نفی مسائل پوچھا کرتا ہے سنت
رسول ﷺ کو لازم
پکڑا ہوا ہے۔ وہ لوگ کہنے لگے۔
یہ محض آپ کو دکھانے کے لئے
بناوٹ تھی۔ محمد بن حنفیہ نے فرمایا
اُسے مجھ سے کیا ڈر۔
لاپنج تھا۔ کہ میرے سامنے اُس نے

بناوٹ کی۔ کیا تم نے اُسے شراب پیتے دیکھا ہے؟ اگر تم نے دیکھا ہے۔ تو تم بھی
اُس کے ہم پیالہ ہو۔ اگر نہیں دیکھا۔ تو تمہارے لئے یہ کب حلال ہے۔ کہ بن
دیکھے شہادت دو۔

کو شراب پیتے تو نہیں دیکھا۔ مگر ہماری بات سچی ہے۔ محمد بن حنفیہ نے
جواب دیا۔ ایسی شہادت کو حق تعالیٰ رد فرماتے ہیں۔ اور انکار کرتے ہیں۔
لہذا میں تمہیں کسی اقدام کا حکم نہیں دوں گا۔

یہ بحث خاصی طویل ہے۔ کہ اس کے بعد ابن کثیر لکھتے ہیں۔ کہ اس پارٹی
نے محمد بن حنفیہ پر طعن کرنا شروع کر دیا۔ کہنے لگے۔ آپ اس لئے یزید کے
خلاف نہیں لڑتے۔ کہ لڑاؤں میں اور حکومت کوئی اور لے جائے۔ آپ نے
فرمایا۔ ایسی حالت میں لڑائی حلال نہیں سمجھتا۔ وہ کہنے لگے۔ تو صفین میں اپنے
والد کے ہمراہ ہو کر کیوں لڑے ہو۔ آپ نے کہا۔ کہ میرے والد کی شان کا
کوئی آدمی پیش کرو۔ پھر وہ کہنے لگے۔ کہ آپ میدان میں نہیں آتے۔

نو لوگوں سے تو کہیں۔ فرمایا۔ جس کام کو میں خود ناجائز سمجھتا ہوں۔ اُس سے کرنے کے لئے دوسروں کو کیوں کہوں۔“

اس بیان سے صاف ظاہر ہے۔ کہ ابن مطیع نے عبداللہ بن زبیر کو خوش کرنے کے لئے اُس جھوٹ کا تانا بانا تیار کیا۔ مگر سب سے پہلے حضرت علیؓ کے بیٹے محمد بن حنفیہ نے ہی اُس کی تردید کی :-

اس طویل تاریخی بیان سے کئی باتیں معلوم ہوئیں :-

۱۔ حکمرانوں کے مقربین اپنا وقار بڑھانے کے لئے اپنے خیال کے مطابق حکمرانوں کے حق میں اور ان کے مخالفین کے خلاف بے بنیاد پروپیگنڈا کیا کرتے ہیں۔ جیسے عبداللہ ابن مطیع نے ابن زبیر کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کیا :-

۲۔ اہل حق ہمیشہ ایسی کوششوں کو تحقیق کی کسوٹی پر رکھ کر انہیں بے بنیاد ثابت کر دیتے ہیں۔ جیسے محمد بن حنفیہ نے کیا :-

۳۔ آپ نے دو طرح ان مفسدوں کی کوشش کو رد کر دیا۔ اول یہ سوال کہ تم نے بیزید کو شراب پیتے دیکھا ہے۔ اگر نہیں۔ تو اس ہمت کی اجازت شریعت کہاں دیتی ہے :-

دوم فرمایا۔ یے، اُس کے پاس رہا ہوں۔ اُس کے روز و شب اور اُس کی مصروفیتیں اپنی آنکھ سے دیکھی ہیں۔ اور اُس میں اُن میں سے کوئی سیب نہیں پایا۔ بلکہ اُسے نیکی کا حرص اور سنت کا متبع پایا :-

۴۔ مفسدوں کو جھوٹوں کو اپنی بات منوانے سے غرض ہوتی ہے۔ وہ حقائق سے آنکھیں بند رکھتے ہیں۔ جیسے اُس پارٹی نے کہا۔ کہ ہم نے شراب پیتے دیکھا نہیں۔ مگر ہماری بات درست ہے۔ تو اُس کے سوا کوئی جواب

ہیں۔ کہ ہم جو کہہ رہے ہیں۔ لہذا درست ہے ؟
 ظاہر ہے۔ کہ امیر معاویہ کی وفات سے پہلے یزید میں اُن میں سے کوئی
 عیب نہیں تھا۔ جو لوگ اُس کے ذمے لگاتے ہیں۔ محمد بن حنفیہ جیسے عینی
 شاہد کی شہادت کافی ہے ؟

تاریخ کو مسخ کرتے میں کئی محرکات کام کرتے ہیں۔ تاریخ اسلام کے متعلق
 ایک وضاحت کی گئی ہے :-

<p>ان التاریخ الاسلام لم یبدأ تدوینہ الا بعد زوال بنی امیۃ و قیام دول لایسترجع الہا التحدت بمفاحدة ذالک الما عنی و محاسن اہلہ ؤ ایک آنکھ نہیں بھاتیں ۔</p>	<p>”تاریخ اسلام کی تدوین بنو امیہ کی حکومت کے زوال کے بعد شروع ہوئی۔ اور یہ قدرتی بات ہے۔ کہ کسی نئی حکومت کو سابقہ حکومت کے سربراہ آوردہ افراد کے محاسن</p>
---	--

اُس کا نفسیاتی ردِ عمل یہ نہیں ہوتا۔ کہ صرت گزشتہ حکومت کے
 افراد کے محاسن پر پردہ ڈال دیا جائے۔ بلکہ اُس سے ترقی کر کے طرح کی
 بُرائیاں اُن کے سر تھوپ جاتی ہیں۔ اور اپنا ایسج بنانے کے لئے اُنہیں
 بدنام کیا جاتا ہے۔ امیر معاویہ اور یزید پر اہتمام اور افترا پردازی اُسی
 نفسیاتی بیماری کا اثر ہے ۔

اسلام کی تاریخ لکھنے والے حضرات مختلف، اقسام کے نظر آتے ہیں۔
 مثلاً :-

۱۔ وہ حضرات جن کے نزدیک دُنیا اور آخرت کی تمام کامیابی کا راز
 اُس میں پوشیدہ ہے۔ کہ خلفائے ثلاثہ، مہاجرین و انصار اور اُمہات المؤمنین

کے ذمے دنیا کی ہر بُرائی لگا دی جائے ۛ

۲۔ خلفائے بنو اُمیہ کو بُرا بھلا کہہ کر کافر و منافق ظاہر کر کے حکومت حاضرہ

کے ہاں تقرب حاصل کیا جائے۔ اور خوب مال پیدا کیا جائے ۛ

۳۔ مُنصف اور مُعتدل طبقہ جو ہر قسم کی روایات جمع کرتے رہے۔ اور اُن پر

نہ جرح کی اور نہ محاکمہ کیا ۛ

پہلے دو طبقوں میں سرفہرست ابو مخنف لوط بن یحییٰ ہے۔ جو مُتَعَصِبُ دُشْمَنِ

مُصَابِہ کرام اور دُشْمَنِ بنو اُمیہ ہے۔ دوسرا سیف بن عمر عراقی ہے۔ یہ پہلے

کی نسبت اتنا کم ہے جیسے اُنس بن یس کا فرق ہوتا ہے۔ تیسرا مسعودی ہے اور

چوتھا کلبی اور پانچواں محمد بن اسحاق۔ یہ تینوں تَقِیْمَہ یا دُشْمِیْعہ ہیں۔ اُن

سے کیا توقع ہو سکتی ہے۔ کہ حق کا اظہار کر سکیں ۛ

تیسرے طبقہ میں علامہ ابن کثیر، ابن اثیر جذری، ابن عساکر اور ابن جریر

طبری ہیں۔ اُن حضرات نے اتنا کیا۔ کہ مختلف مشرب کی روایات جمع کر دیں

مگر اتنی ہمت کر دی۔ کہ روایت کے ساتھ راوی کا نام بھی لکھ دیا۔ اب

یہ سارا تاریخی ترکہ جائز و ناجائز حرام و حلال، صحیح و غلط کا مجموعہ ہے۔

مگر اُس تیسرے طبقے نے جو راوی کا نام لکھ دینے کا التزام کر دیا۔ اس سے

علامہ کو سہولت ہو گئی۔ رواۃ کے نام دیکھ کر روایت کو جرح و تعدیل کے

ذریعے جانچ لیں۔ پھر صحیح فیصلے پر پہنچیں۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ اسلامی

تاریخ کا ذخیرہ ایسا نہیں۔ کہ آنکھیں بند کر کے پر روایت صحیح تسلیم کر لی جائے

کیونکہ فلاں کتاب میں لکھی ہے۔ بلکہ ضرورت اس امر کی ہے۔ کہ روایات کی

خوب چھان بین کی جائے۔ بالخصوص مصابہ کے حالات میں تو نہایت احتیاط

درکار ہے۔ کیونکہ یہ جماعت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے براہِ راست

شاگرد اور تربیت یافتہ ہیں۔ نبوت کے عینی شاہد ہیں۔ اور سارا دین اُن سے نقل ہو کر بعد کی نسلوں تک پہنچا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب میں اُن کے اوصاف اور اُن کے فضائل بیان فرمادیئے ہیں۔ اب کسی تقیہ باز اور مفسد مؤرخ یا راوی کے کہنے پر ہم اللہ تعالیٰ کی بات کیونکر پس پشت ڈال دیں؟

اُن اُمور سے ظاہر ہے کہ امیر معاویہؓ نے اپنے اجتہاد سے جو کیا۔ وہ بڑے خلوص سے حق سمجھ کے کیا۔ جس کا عملی ثبوت حضرات حسنینؓ کے ساتھ اُن کا حُسن سلوک ہے۔ اور یزید کے لئے وہ وصیتیں ہیں۔ جو حسنینؓ کے ساتھ سلوک کرنے کے متعلق انہوں نے کیں۔ جن کا بیان اپنے اپنے مقام پر ہو چکا ہے؟

اسی بڑے الزام سے متعلق چھوٹے چھوٹے ذیلی الزامات ہیں۔ مثلاً:-
۱۔ "یزید جوان تھا۔ اسی سے بڑی عمر والے موجود تھے۔ اُن کو کیوں نہ خلیفہ مقرر کیا۔"

یہ الزام تو اُس وقت صحیح ہوتا جو، شرعاً عقلاً اور رسماً یہ اصول مسلم ہوتا کہ خلیفہ مقرر کرنے میں صرف عمر کو دیکھا جائے۔ ایک نوجوان میں اگر اُس کی اہلیت اور صلاحیت موجود ہے۔ تو جوان نہ ہونے کی وجہ سے اس کی اہلیت کو درستہ اعتناء نہ سمجھا جائے۔ اور اُس کے مقابلے میں بڑی عمر کے آدمی میں یہ صلاحیت نہیں۔ تب ہم عمر میں بڑا ہونے کی وجہ سے یہ ذمہ داری اُسے سونپی جائے۔ کیا اس اصول پر کبھی عمل ہوا ہے؟ کیا عقل عامہ اُس کی تائید کرتی ہے؟

جواب یقیناً نفی میں ہوگا۔ لہذا اُس الزام کی کیا حیثیت ہے؟

۲- "یزید سے افضل صحابہ بھی موجود تھے۔ اُن کو کیوں نہ مقرر کیا گیا۔"

صحابی ہونے کی فضیلت، اپنی جگہ ہے۔ اور حکمرانی کی اہلیت ہونا اور بات ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ صحابہ سے زیادہ زاہد و عابد تھے۔ افضل بھی تھے۔ مگر کسی نے اُن کو انتظامی امور کا سربراہ کبھی نہیں بتایا۔ مگر اس وجہ سے اُن کی فضیلت، پر کوئی حرج نہیں آیا۔ اسی طرح اگر صدیق و فاروق کو خلیفہ نہ بنایا جاتا۔ تو بھی اُن کی انصافیت پر کوئی اثر نہ پڑتا ہے۔

خلافت و امارت کے لئے افضل ہونا شرط نہیں۔ مفعول کو بھی اہلیت کی نیا پر خلافت و امارت سوچنی جاسکتی ہے :

۳- "امیر معاویہ پر جو تھا الزام یہ ہے۔ کہ جنگ صفین کے خاتمہ پر حکمین نے جو فیصلہ دیا تھا۔ اُس میں بھی امیر معاویہ کی سازش تھی۔"

جنگ صفین کیوں ہوئی۔ اس پر بحث ہو چکی ہے۔ اور یہ ثابت کیا چکا ہے کہ فریقین نے اس کی وجہ قصاص عثمان کو قرار دیا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ جب حکم مقرر کئے گئے۔ تو *Terms of reference* کیا تھیں۔ عقل کا مطالبہ یہ ہے۔ جو بنائے تنازعہ تھی۔

اسی کے متعلق کوئی فیصلہ کیا جائے۔ اگر امیر معاویہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں مدعی خلافت ہوتے۔ تو حکمین کے ذمے یہ فیصلہ کرنا ہوتا۔ تاکہ کسی ایک کو خلافت کا حق دار قرار دیں۔ دوسرے کو غیر مستحق۔ جب یہ مسئلہ

حقیقت ہے۔ کہ امیر معاویہ کا یہ دعوے ہی نہیں تھا۔ تو اس معاملے کو *Terms of reference* میں رکھنا اور سرفہرست

رکھنا کہاں کا انصاف ہے :

امیر معاویہ کا مطالبہ یہ تھا۔ کہ قاتلین عثمانؓ سے قصاص لیں۔ اگر آپ

کسی وجہ سے عاجز ہیں۔ تو انہیں ہمارے حوالے کریں۔ اُن کے اور ہمارے درمیان سے آپ ہٹ جائیں۔ ہم اُن سے قصاص لیں گے۔

پنابچہ منہاج السنۃ ۲ : ۲۶۱ میں ابن تیمیہ نے اہل شام کا بیان درج کیا ہے :-

والمالب الحق من عسکر معاویۃ یقول لا یکننا ان بنایع الا من یعدل علینا ولا یظلمنا ونحن اذا بایعنا علیاً وظلمنا عسکرہ کما ظلموا عثمان وعلی اما عاجزا عن العدل او تارکا لعدل ولذا لک لیس علینا ان بنایع علیاً عاجزا عن العدل علینا ولا تارکا لہ ؕ
 ” اور امیر معاویہ کی فوج سے طالب حق لوگ کہتے تھے۔ کہ ہمارے لئے ممکن نہیں۔ کہ ایسے آدمی کے ہاتھ پر بیعت ہو۔ جو ظلم کرے۔ اور عدل نہ کرے ہم اگر علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ تو اُن کی فوج ہم پر بھی اسی طرح ظلم کرے گی۔ جیسا کہ انہوں نے عثمان پر ظلم کیا۔ اور حضرت یا ثور عدل کرنے سے عاجز ہیں۔ یا تارک ہیں۔ تو ایسے آدمی سے بیعت کرتا ہمارے لئے ضروری نہیں۔“

جب یہ واضح ہو گیا۔ کہ بنائے تنازعہ قصاص عثمان تھا۔ تو ظاہر ہے۔ کہ حکمین کو یہ فیصلہ کرنا تھا۔ کہ کیا امیر معاویہ کا مطالبہ درست ہے؟ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ بوجہ کر قصاص نہیں لیتے۔ یا ایسے مجبور ہیں۔ کہ قصاص لے نہیں سکتے؟ اور یہ دونوں باتیں عین عقل کے مطابق ہیں۔

اُس کے برعکس تار یحیٰں میں حکمین کے درمیان جو مکالمہ درج ہے۔ وہ از اول تا آخر یہ ہے۔ کہ خلیفہ کس کو مقرر کیا جائے۔ اور حکمین یکے بعد

دیگر سے کئی نام تجویز کرتے ہیں۔ اصل بات یعنی قصاص عثمانؓ کا کہیں ذکر نہیں۔ ظاہر ہے۔ کہ اُس میں کوئی شک نہیں۔

اصل بات جس کے متعلق حکمین کو سوچ کر فیصلہ کرنا تھا۔ اس کو بالکل اوجھل کر دیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ حکمین نے حالات کا جائزہ لے کر دیکھ لیا۔ کہ امیر معاویہ کا مطالبہ درست ہے مگر حضرت علیؓ یہ مطالبہ پورا نہیں کر سکتے کیونکہ ہزاروں آدمیوں کو جو دھڑلے سے کہتے ہیں۔ کہ ہم قاتلین عثمانؓ ہیں۔ انہیں حضرت علیؓ کیونکر قتل کر سکتے ہیں۔ اور یہ نہ ہو۔ تو کیسے امیر معاویہؓ کے سپرد کر سکتے ہیں۔ لہذا انہوں نے یہی فیصلہ کیا ہوگا۔ کہ حضرت علیؓ کی مجبوری دیکھ کر امیر معاویہؓ اس مطالبہ سے دستبردار ہو جائیں۔ اُس پر دونوں کی صلح ہو گئی۔ اور اس کے بعد حالات بتاتے ہیں۔ کہ حضرت علیؓ کی زندگی بلکہ حضرت حسنؓ کے عہد میں بھی یہ معاملہ پھر کبھی نہ چھرا گیا۔ دونوں نے فتنے سے بچنے کے لئے اُسے قایم قبول سمجھا ۛ

اب ذرا اُس فیصلہ پر غور کریں۔ جو تاریخوں میں لکھا ہے۔ کہ امیر معاویہؓ کو ایک نے برقرار رکھا۔ دوسرے نے دونوں کو معزوں کر دیا۔ کیا اُس فیصلہ کا جنگ سے کوئی تعلق ہے ۛ

کیا امیر معاویہؓ کا مطالبہ قصاص عثمانؓ رضہ بحیثیت گورنر تھا۔ یا بحیثیت ولی کے تھا۔ تو ان کو معزوں کرنے سے کیا یہ حق بھی ان سے چھن گیا۔ کہ وہ حضرت عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ نہ کریں۔ اگر حق باقی رہا۔ تو اس فیصلے کا اثر کیا ہوا ؟

دوسری بات یہ ہے۔ کہ تاریخوں میں یہ جو لکھا ہے۔ کہ امیر معاویہؓ کو معزوں کیا گیا۔ تو سوچنے کی بات یہ ہے۔ کہ امیر معاویہؓ کو کسی نے خلیفہ بنایا تھا۔ یا

انہوں نے خلافت کا خود دعویٰ کیا تھا۔ کہ انہیں معزول کیا گیا۔ جب وہ خلیفہ نہ بنے ہیں۔ نہ بنائے گئے ہیں۔ نہ دعویٰ کیا ہے۔ تو معزول کرنے کا کیا مطلب۔ یہ بات یوں بنتی ہے۔ جیسے ایک شخص جو پیدا ہی نہیں ہوا۔ کوئی عدالت فیصلہ دے دے۔ کہ اُسے قتل کر دو۔ اُس سے زیادہ مشکوکہ چیز بات بھی کوئی ہو سکتی ہے۔ یہ تو عجیب مسخر اپن ہے۔ کہ جس کا تقرر ہی نہیں ہوا۔ اُسے معزول کر دینے کا فیصلہ سنایا جا رہا ہے۔

اس سلسلے میں ایک امر قابل غور رہتا ہے۔ کہ جب امیر معاویہؓ نے خود خلیفہ بنے۔ تو آپ نے قاتلین عثمان سے قصاص کیوں نہ لیا۔ اُس کا جواب صاف ہے۔ کہ اتنے عرصے میں قدرت خود اُن سے قصاص لے چکی تھی۔ اگر تو اُس جنگ میں مارے گئے۔ باقی عمر طبعی کو پہنچ کر ملک عدم کو سدا دے۔ لہذا قصاص کس سے لیا جاتا ہے۔

۵۔ ۱: امیر معاویہؓ پر پانچواں الزام یہ ہے۔ کہ انہوں نے حضرت علیؓ پر لعن طعن کرنے کا حکم دیا۔ اور خطبوں میں منبروں پر حضرت علیؓ کو گالیاں دی جاتی تھیں۔

یہ الزام بھی دراصل اپنے ایک عیب کو چھپانے کی کوشش ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ ۱: شرح پنج ابلاغہ میثم بحرانی ۵: ۱۹۴ سے حضرت علیؓ کا گشتی مراسلہ گذشتہ باب میں درج کیا جا چکا ہے۔ کہ اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ شیعیان علیؓ نے امیر معاویہؓ اور ثنابی فوج پر لعن طعن کرنا شروع کر دیا تھا۔ تو حضرت علیؓ نے وضاحت کی۔ کہ مسئلہ متنازعہ فیہ صرف دم عثمان ہے۔ جس سے ظاہر ہے۔ کہ سب و شتم کی ابتداء شیعیان علیؓ کی طرف سے

ہوئی :

۲-۲ طبری ۴۶: ۴۰ م ثالثوں کے فیصلہ سنانے کے بعد ذیل ہے :-

راجع ابن عباس و شریح بن
ہانی الی علی و کان اذا صلی الغداة
یقنت فیقول اللہم لعن معاویة
و عمرو ابی الاعور سلمی و حبیباً
و عبد الرحمن بن خالد و الضحاک
بن قیس و الولید فبلغ معاویة فکان
اذا قنت لعن :

”ثالثوں کے فیصلہ کے بعد حضرت
عبدالمشرب بن عباسؓ اور شریح
بن ہانی حضرت علی رضی کے پاس گئے
حضرت علی رضی کا معمول یہ تھا کہ صبح
کی نماز میں قنوت پڑھا کرتے تھے
اور کہتے تھے۔ اے اللہ! معاویہؓ
عمرو، ابوالاعور سلمی، حبیب اور

عبد الرحمن بن خالد و ضحاک بن قیس اور ولید پر لعنت بھیج۔ امیر معاویہؓ
کو جب اس کی اطلاع ملی۔ تو آپ نے بھی اس کے جواب میں صبح کی نماز میں
اسی طرح قنوت پڑھنا شروع کر دیا۔“

اس روایت سے ظاہر ہے۔ کہ لعن طعن کی ابتداء حضرت علی رضی سے
ہوئی۔ اور جواب میں امیر معاویہؓ نے بھی اسی انداز میں قنوت پڑھنا شروع
کر دیا۔“

اس روایت سے ظاہر ہے۔ کہ پہلی اور دوسری روایت کے ملانے سے معلوم
ہوتا ہے۔ کہ حضرت علی رضی اور ان کی فوج دونوں کا معمول تھا۔ کہ امیر معاویہؓ پر
لعن طعن کرتے تھے۔ مگر جواب میں صرف امیر معاویہؓ نے ذاتی طور پر
اسے کا بدلہ دینا شروع کیا :

۳-۲: درة النخعیہ شرح نہج البلاغہ طبع اشرف سفر نمبر ۳۰۳ پر ہے۔ کہ
ولما قنت علی علیہ السلام خمسة : ”جب حضرت علی رضی قنوت پڑھتے تو

لَعْنَهُمْ دُهُمُ مُعَاوِيَةَ وَعَمْرُو بْنُ
الْعَاصِ وَالْبُوَيْهِاقُ سُلَيْمَى وَحَبِيبُ
بْنِ مُسْلِمٍ وَبِسْرُ بْنُ اِرْطَاتٍ وَاقْتِ
مُعَاوِيَةَ عَلَى اُخْسَةِ ۛ

خلاف قنوت پڑھتے۔

اُن پانچ پر لعنت کرتے، معاویہ
عمرو بن العاص، ابوالہور سلمیٰ حبیب
بن مسلمہ و بسیر بن ارطات اور امیر
معاویہ بھی جواب میں پانچ کے

یہ تھری ناٹ تھری یعنی ۳:۳ کی روایت بھی طبری کی تائید ہی ہے۔
اُس سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ابتداء حضرت علی رضی کی طرف سے ہوئی۔
اور امیر معاویہ نے جوانی کا روائی کی۔ فرق اتنا ہے۔ کہ حضرت علی رضی جن
پانچ آدمیوں پر لعنت کرتے تھے۔ اُن کے نام درج ہیں۔ مگر امیر معاویہ
کے متعلق صرف اتنا لکھا ہے۔ کہ پانچ کے خلاف قنوت پڑھتے تھے۔

کتاب شیعہ کے مطالعہ سے اس بارے میں عجیب تضاد نظر آتا ہے۔ کہ
کبھی تو حضرت علی رضی کو اس رنگ میں دکھاتے ہیں۔ کہ امیر معاویہ پر لعن طعن
کرنے میں پہل کر رہے ہیں۔ کبھی یوں دکھاتے ہیں۔ کہ
شیعان علی امیر معاویہ پر لعن طعن کر رہے ہیں۔ کبھی یوں دکھاتے
ہے۔ اُنہیں منع فرما رہے ہیں۔ کبھی اُس کا لعنت میں شہرت کا اظہار یوں ہوتا
ہے۔ کہ ایسا کرنا حرام ہے۔ چنانچہ مثالیں ملاحظہ ہوں۔

۳-۲: درة النجف ص ۳۴ - ۲۳۳ پر ہے :- کہ

وقد سمع اوقال ای قومًا من
اصحابہ یستون اهل الشام ایتام
حد بحد بعفین انی اکره ولکن کم
وصفتوا عملهم و ذکرتم حالهم

حضرت علی رضی نے جنگ صفین کے
دنوں میں اپنے کچھ ساتھیوں کو اہل
شام کو گالیاں دیتے سنا تو فرمایا۔
میں اُسے برا جانتا ہوں۔ اُس کی جگہ

كَانَ أَصَوَّبَ فِي الْقَوْلِ وَابْلَغَ فِي
الْعُذْرِ وَقَلْتُمْ مَكَانَ سَبِّكُمْ
يَا هُمُ اللَّهُ مَا حَقَّنَ دُمَاءَنَا
وَدَمَانُكُمْ وَأَصْلَحَ ذَاتَ بَيْنِنَا
وَبَيْنَهُمُ الْآخِرُ ۝

اقول حاصل الکلام تأدیب
اصحابہ وارشاد ہمہ الی السیرۃ
الحسنۃ و جذبہ عن تقوید السنن
کلام السفراء الی تعوید ہا
بکلام القباہین ۝

کی کلام سے ہٹا کر نرم کلام کی طرف پھیرا گیا۔

وَقَوْلُهُ إِنِّي أَكْثَرُ أَنْ تَكُونُوا
سَبَابِينَ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ مَا
بَعَثْتُ لِعَازَا وَلَا سَبَابًا وَقَوْلُهُ
اللَّهُمَّ إِنِّي بِشَرِّ أَفْئِدَةٍ دَعَوْتُ عَلَى
إِنْسَانٍ فَأَجْعَلْ دَعَائِي لَهُ لَا عَلَيْهِ
وَأَصْدِهِ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ وَ
قَوْلُهُ وَأَصْلَحَ ذَاتَ بَيْنِنَا وَبَيْنَهُمُ
مِنْ الْأَهْوَالِ الْمَوْجِبَةِ لِإِفْتِرَاقٍ
حَقِّ يَكُونُ أَحْوَالِ الْفَتْحِ وَالْفَقَاقِ ۝

اُس بددعا کو اُس کے حق میں دُعا بنا دینا۔ اور اُس کو سیدھی راہ دکھانا:

تمہیں چاہیے۔ اُن کے اعمال اور احوال
کا ذکر کرو۔ یہ اچھی بات ہے۔ اور
بہترین عُذر ہے۔ گالیوں کی جگہ یہ
کہو۔ اے اللہ۔ تو ہمارے اور اُنکے
خونوں کی حفاظت فرما۔ اور ہماری
اصلاح فرما۔ شائع کہتا ہے۔ حاصل
کلام یہ ہے۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے
اصحاب کو ادب کی تعلیم دی۔ اور
سیرت حسنة کی طرف راہ نمائی
فرمائی۔ اور اُن کی کلام کو احمقوں

کیا۔

اور حضرت علیؓ کا یہ فرمان۔ کہ میں
اُس بات کو بُرا جانتا ہوں۔ کہ تم
لوگ گالیاں دینے والے بنو۔ کیونکہ
نبی کریمؐ "صلی اللہ علیہ وسلم" نے
فرمایا۔ کہ میں لعنت کرنے یا گالیاں
دینے کے لئے مبعوث نہیں ہوا۔
اور حضورؐ نے فرمایا۔ اے اللہ!
یہ انسان ہوں۔ پس جب میں
کسی کے حق میں بددعا کروں۔ تو
اُس بددعا کو اُس کے حق میں دُعا بنا دینا۔ اور اُس کو سیدھی راہ دکھانا:

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان کہ خُدا یا ہمارے اور اُن کی اصلاح فرما۔ اُن حالات میں جن کی وجہ سے افتراق پیدا ہوا۔ اور ایسے حالات پیدا فرما کر ہم میں باہمی اُلفت اور اتفاق پیدا ہو جائے۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس تادیب یا تعلیم سے صاف ظاہر ہے۔ کہ :-

۱۔ آپ کو گالیاں دینے کی روش پسند نہیں تھی :

۲۔ آپ کو یہ بھی پسند نہیں۔ کہ آپ کے ساتھی لعن طعن کریں۔ یا گالیاں

دیں :

۳۔ آپ چاہتے تھے۔ کہ آپ کے ساتھی اس احمقانہ روش سے باز آجائیں۔

۴۔ آپ نے حضور اکرم کا ارشاد یاد دلایا۔ کہ : میں گالیاں دینے کے لئے

مبعوث نہیں ہوا ہوں۔“ لہذا جس کو نبی کریم کی روش پسند نہیں اس

کا حضور سے کوئی تعلق نہیں :

۵۔ گالیاں دینے کی جگہ دعائیں دینے اور اللہ تعالیٰ سے اصلاح احوال

کی درخواست کرنے کی تلقین فرمائی :

۵۔ اسی قسم کی باتیں فیض الاسلام شرح بیچ البلاغہ " ۲ : ۶۵۱ پر

بھی درج ہیں :-

” بہتر آنست کہ بجائے دشنام دادن بائمان بگوئید بار خدا یا خدائے

والیسا ترا از ریختن حفظ فرمازمیان ما و آہنا اصلاح فرما۔“

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ ایک طرف تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے شیعوں

کو لعن کرنے اور گالیاں دینے سے منع فرما رہے ہیں۔ اُسے احمقانہ فعل

قرار دے رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کی مخالفت سے

ڈرا رہے ہیں۔ اور دوسری طرف نماز میں اور قنوت میں خود یہی سب

پچھ کر رہے ہیں :

اتنے بڑے تضاد کی آخر وجہ کیا ہے ؟ ظاہر ہے ۔ کہ اُس کی وجہ اُس کے بغیر کچھ نہیں ۔ مُفسد اور تقیہ باز راویوں نے جھوٹ اور افتراء کا بازار سمبار کھا ہے ۔ جانبین پر لعن طعن کا محض بہتان ہے ۔ یہ کہاں ممکن ہے ۔ کہ آدمی دوسروں کو ایک بُرائی سے منع کرے ۔ اور خود دھڑلے سے، اُس کا ارتکاب کرے ۔ چنانچہ بعض کتب تاریخ میں لکھا ہے ۔ کہ

السَّابِّ وَاللَّعْنِ وَالْمَشْهُورِ بَيْنَ الْفَرِيقَيْنِ اَعْيَادِ بْنِ عَلِيٍّ وَمَعَاوِيَةَ مِنْ اَحَدِ اَذْيَابِ التَّارِيخِ ۛ	یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ کے متعلق جو باہمی سب و شتم مشہور ہے ۔ وہ تاریخی جھوٹوں میں سے
---	--

ایک جھوٹ ہے ۔

شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے ایک اور نکتہ بیان کیا ہے ۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بُرا کہنے والا معاویہؓ بن ابی سفیان نہیں تھا ۔ بلکہ معاویہ بن خدیج تھا ۔ یہ اشتراک اسمی بھی بعض اوقات کتنے بڑے نکتے کا باعث بن سکتا ہے ۔ اُس سے بھی بڑا تضاد ایک اور ہے ۔ کہ

ایک طرف علمائے شیعہ سب و شتم کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ناپسندیدگی کا اظہار کر رہے ہیں ۔ اُسے اجماعاً فعل قرار دے رہے ہیں ۔ نبی کریم ﷺ کی ممانعت کا ذکر کر رہے ہیں ۔ اُس کی جگہ اصلاح کی دعا کی تلقین کر رہے ہیں ۔ مگر دوسری سب و شتم کو عبادت قرار دے رہے ہیں ۔ مثلاً فیض الاسلام شرح نہج البلاغہ ۲۲۰ ۶۵۰ پر لکھا ہے :- کہ

”ایں جملہ دلالت ندارد کہ دشنام دادن بآنها حرمت داشته باشد چوں
فحش نیست کہ دشنام بغیر مومن یعنی کافر و فاسق و دشمن آل محمد جائز است“

” یہ سب جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سب دشتم سے منع فرمایا ہے۔ اُس امر پر دلالت نہیں کرتا۔ کہ صحابہ کو گالی دینا حرام ہے۔ کیونکہ اس میں شک نہیں۔ کہ غیر مومن یعنی کافر، فاسق و دشمن آل محمد کو گالیاں دینا جائز ہے۔“

پھر ۶۵۱: ۲ پر ہے۔ کہ

” خلاصہ طعن و دشنام بدشمنان خدا و رسول و اوصیاء آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم شرعاً جائز و مستحب است۔“

” خلاصہ یہ ہے۔ کہ خدا و رسول اور اوصیاء کے دشمنوں کو گالیاں دینا شرعاً جائز ہی نہیں مستحب ہے۔“

بات وہی بنتی نظر آتی ہے۔ کہ پنچوں کا آنا سر آنکھوں پر مگر پرنا لہ اُسی جگہ رہے گا۔ یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پتہ نہ آئے آپ منع فرمائیں۔ آپ اُسے حماقت قرار دیں۔ نبی کریم ص اس سے منع فرمائیں۔ اُس کو گناہ قرار دیں۔ اور مجتہدین شیعہ فرمائیں۔ کہ یہ جائز ہی نہیں مستحب ہے۔ واقعی یہ کام محبان علی کا ہی ہے۔ بات کچھ ایسی نظر آتی ہے۔ کہ معاویہ استیجاب تک محدود نہیں ہے بلکہ اُس سے بھی آگے ہے۔ مثلاً :-

فروع کافی ۳: ۳۴۲ پر ہے۔ کہ

<p>• حسن بن ثور اور ابوسلمہ سراج کہتے ہیں۔ کہ ہم نے امام جعفر سے سنا۔ کہ وہ ہر فرض نماز کے بعد چار مردوں اور چار عورتوں پر لعنت بھیجتے تھے۔ ان کے نام لے کر یعنی ابوبکر، عمر، عثمان اور</p>	<p>عن الحسن بن ثور و ابی سلمہ السراج قال سمعنا اباعبد اللہ علیہ السلام وهو یلعن فی دبر مکتوبة اربعة من الرجال و اربعة من النساء ذلانا و ذلانا و ذلانا و معاویة و یسب بہم</p>
---	--

وَفَلَانَةٌ وَمِنْهُمْ أَقْرَبُكُمْ أَخْتٌ

مُعَادِيَةٌ ۝

عورتوں میں سے ۔

میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جس فعل کو حماقت قرار دیا۔ وہ فعل عبادت کے نام سے امام جعفر کے ذمے لگا دیا ہے

ہائے کس رنگ میں اچھٹوں کو برا کہتے ہیں

غور کرنے کی ضرورت ہے۔ کہ جس مذہب میں گالیاں بکنا اور بیہودہ گوئی عبادت ہو۔ کیا وہ انسانیت کے لئے کسی درجے میں بھی قابل قبول ہے۔ دنیا کا غلط سے غلط مذہب اور دنیا کا بُرے سے بُرا انسان بھی گالی کو بُرائی اور بد تہذیب سمجھتا ہے۔ مگر قربان جائے۔ اُس غلاطت مآب عقیدے پر کہ یہ غلاطت نہیں۔ بلکہ نہایت لذیذ غذا ہے ؟

اس عبادت میں ایک آسانی ضرور ہے۔ کہ شرانت اور انسانیت کا ذکر تو رہنے دیجئے۔ اس عبادت کے لئے طہارت، وضو، بلکہ استنجا بھی شرط نہیں اور جگہ اور وقت بھی کوئی قید نہیں۔ اور مسلم کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ بلکہ جتنا زیادہ جاہل اور بدکار ہوگا۔ اتنا ہی بڑا عبادت گزار ہوگا۔ اُس بازاہ میں تو اس عبادت کی شان ہی نرالی ہوگی۔ کیونکہ اُن کی تو یہ عمر بھر کی ریاضت ہوتی ہے۔ اُس عبادت کی شان ملاحظہ ہو۔ کہ

۱۔ مختصر بصائر الدرجات صفحہ نمبر ۱۱، امام جعفر فرماتے ہیں۔ کہ سبز رنگ کا

ایک پہاڑ اللہ تعالیٰ نے ایسا پیدا کیا ہے۔ جو ساری دنیا کو محیط ہے

وَخَلَقَ خَلْفَهُ خَلْقًا لَمْ يَفْتَرِضْ ۝ اور اُس پہاڑ کے نیچے اللہ تعالیٰ

عَلَيْهِمْ شَيْئًا مِمَّا فَرَضَ عَلَى خَلْقِهِ ۝ نے ایک مخلوق پیدا کر رکھی ہے اُس

مُعَادِيَةٌ مَرْدُوں سے اور حضرت عائشہؓ

حضرت جعفرؓ و ہندہ اور اُمّ الحکمؓ

من صلوٰۃ و زکوٰۃ و کلمہ یعنی
۳ جلین من هذه الامة و
سماها سماها ۵

پر کوئی عبادت فرض نہیں۔ جو دوسرے
لوگوں پر فرض ہے۔ مثلاً نماز، زکوٰۃ
وغیرہ اُن کی عبادت صرف یہ ہے۔ کہ

دو آدمیوں یعنی ابو بکرؓ اور عمرؓ پر لعنت بھیجتے رہیں۔

یہی انسانیت کو گھن آ رہی تھی۔ کہ جو اس کو استحباب کا درجہ دے دیا۔
اب کہاں جائے گا۔ یہ مستحب چھوڑ فرض و واجب سے بھی افضل عبادت ہے۔
اور اتنی اہم کہ اس کے لئے خدا کو الگ مستقل ایک مخلوق پیدا کرنی پڑی۔
یہ اور بات ہے۔ کہ جغرافیہ دان یہ انکشاف سن کر سرپیٹ کے رہ جائیں۔ کہ
آدمی جھوٹا بولے بھی تو ذرا سلیقے سے بولے۔ لیکن جغرافیہ دانوں کو
اُس حقیقت کا علم نہیں۔ کہ آدمی جس فن میں قسم رکھے۔ جیت تک اُس
فن میں کمال نہ پیدا کرے۔ اُس کا کون سا کمال ہوا۔ جب جھوٹ بولنا ہی
عبادت بن کے شروع کیا۔ تو سلیقہ کا خیال رکھنا کون سی خوبی ہے۔

میرے خیال میں وہ زندہ ہی نہیں زاحد

جو ہوشیاری و مستی میں امتیاز کرے

اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۱۲ پر امام جعفر فرماتے ہیں۔ کہ :-

يقول ان الله خلق هذا النطاق
زیر جہد خضراء منها اخضررت
السماء قلت دمن النطاق قال
الحجاب والله عذ وجل وراء ذلك
سبعون الف عالم اكثر من
عدد الجن والانس وکلمہ یعنی

”اس نطاقت کے پیچھے سبز رنگ
کا زیر جہد ہے۔ اسی کی وجہ سے
آسمان بھی سبز نظر آتا ہے۔ راوی
کہتا ہے۔ کہ میں نے کہا۔ حضرت
نطاقت کیا چیز ہے۔ فرمایا۔ ایک
حجاب ہے۔ اُس کے پیچھے ستر ہزار

فُلَانًا وَفُلَانًا ۛ | حیوان ہیں۔ وہاں کی مخلوق انسانوں اور جنوں سے زیادہ ہے۔ اُن سب کا کام یہ ہے کہ ابو بکر و عمر پر لعنت کرتے ہیں۔“

پھر اُسی کتاب کے صفحہ نمبر ۱۲ پر امام جعفر قراتے ہیں:-

<p>۱۰ "تمہارے اُس مغرب کے پیچھے ۳۹ مغرب ہیں۔ جن کی زمین سفید رنگ کی ہے۔ یہ ہماری زمین اُس کی سفیدی سے منور ہے۔ وہاں کی مخلوق تمہارے آنکھ جھپکنے کی دیر بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی۔ یہ مخلوق اتنا بھی نہیں جانتی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے</p>	<p>اما خلف مغربکم هذا تسعة وثلاثون مغرباً ۱۰ ضاً بیضاً مملوءة خلق يستفیضون بنورها لم یعصوا الله طرفة عین لا یدارون اخلق الله ادم ام لم یخلق یبدون فُلَانًا وَفُلَانًا ۛ</p>
---	---

آدم کو پیدا کیا یا نہیں۔ یہ صرف مستدق و فاروق کو تبرا کرتے رہتے ہیں۔ اللہ کی حکمتیں اللہ ہی جانتے۔ اپنی عبادت کے لئے تو صرف ایک حیوان بنایا اور اُس میں سے بھی صرف جن و انسان کو عبادت کا فرض سونپا۔ جن سے کوتاہیاں اور غفلتیں بھی ہو جاتی ہیں۔ ہاں فرشتے ایسی مخلوق بنائی۔ کہ

”لَا یَعْصُونَ اللهَ مَآ اَمَرَهُمْ“

اور خدائے اپنی عبادت کو بھی مختلف شکلیں متعین فرمادی ہیں۔ مگر ابو بکر و عمر کو گالیاں دینے کے لئے اتنا اہتمام کیا۔ اور اتنی بڑی مخلوق پیدا کر دی۔ پھر اُن میں اُس عبادت کا وہ جنوں پیدا کر دیا۔ کہ آنکھ جھپکنے کی دیر بھی اُس سے غافل نہیں ہوتے۔ اُن کی محویت کا یہ عالم ہے۔ کہ آدم آئے اور چلے گئے۔ اُن کی اولاد پھیلتی جا رہی ہے۔ اور انہیں کوئی خبر نہیں۔

رُوح کسی کی یاد میں چھائی تھی ایسی محویت

یہ بھی خبر نہیں، ہوئی آکے چلا گیا کوئی

لَا يَعْصُونَ اللَّهَ سِوَايَ يَظَاهِرُونَ طَاغُوتًا ۖ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنِ يَشَاءُ ۚ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنِ يَشَاءُ ۚ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنِ يَشَاءُ ۚ

کا تصور کیا ہے ؟

اس ساری بحث سے یہ نتیجہ نکلا۔ کہ امیر معاویہؓ کا حضرت علیؓ یا اُن کی اولاد

پر سب و شتم کرنا محض جھوٹ افراء اور بہتان ہے۔ البتہ یہ کام اُن لوگوں

کا ہے۔ جن کے نزدیک لعن طعن کرنا۔ بکو اس کرنا، گالیاں دینا صرف جائز

نہیں۔ بلکہ ایسا فرعن ہے۔ کہ اُس سے بڑی عبادت اور کوئی نہیں۔ اور یہ

عبادت حضرت علیؓ اور امام جعفرؓ سے اُنہوں نے معمول یہاں بیان کر دی ہے اور

اگر کہیں امیر معاویہؓ سے اُن کی نسبت ظاہر کی گئی ہے۔ تو وہ بھی محض

ذاتی طور پر جوانی کا ردوائی کے طور پر ہے۔ ابتداء تو مشیخان علیؓ اور حضرت

علیؓ کی طرف سے ہوئی۔ اور آئمہ میں یہ سنت یہاں تک جاری رہی۔ کہ حضرت

امام جعفرؓ ہر فرض نماز کے بعد یہ وظیفہ مزور کرتے تھے (بقول شیعہ)

امیر معاویہؓ کے مذہب میں گالیاں دینا نہ فرض واجب ہے اور نہ یہ مستحب

ہے۔ نہ جائز ہے۔ لہذا اُن پر بہتان کے سوا کچھ نہیں ہے

خاندان نبوت کے ساتھ امیر معاویہؓ کا جو رویہ رہا۔ شیعہ کتب اُس کی

خود شہادت دیتی ہیں۔ مثلاً :-

۱۔ مناقب شہر ابن آشوب طبع جدید ایران ۸۸۱۴ پر ہے :- کہ

وَمَا الْحُسَيْنُ فَاَن اَهْلَ الْعِدَاۃِ | امیر معاویہؓ اپنے بیٹے یزید کو

لن یدعوہ حتیٰ یخرجوہ فَاَن | وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

قد مات علیہ فاصفح عنہ فَاَن | ”جہاں تک حضرت حسینؓ کا تعلق ہے

لَهُ احْسَانًا..... وَحَقًّا عَظِيمًا ۝ | اہل عراق انہیں ضرور بلائیں گے۔
مگر انہیں نکال دیں گے۔ اگر تجھے اُن پر اختیار حاصل ہو۔ تو اُن سے درگزر
کرنا اُن کا رشتہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے۔ اُن کا بڑا حق
ہے۔“

۲-۱: بلا باقر مجلسی نے اپنی مشہور کتاب جلاۃ العیون صفحہ نمبر ۴۲۱ پر تفصیل دی
ہے۔ :-

” رہے حضرت حسین پس اُن کی نسبت قرابت کا حال رسول کریم صلی
اللہ علیہ وسلم سے تجھے معلوم ہے۔ کہ وہ پارہ تن رسول خدا ہیں۔ اور اُن کے
گوشت و خون سے پرورش ہوئی ہے۔ میں جانتا ہوں۔ کہ اہل عراق یقیناً
اُن کو اپنی طرف بلائیں گے۔ اور یاری اور نصرت اُن کی نہ کریں گے۔ بلکہ انہیں
”تنہا چھوڑ دیں گے۔ لازم ہے۔ کہ اگر اُن پر کوئی قدرت پائے۔ تو اُن کے
حق و حرمت کو پہچاننا اور اُن کی منزلت و قرابت جو حضرت رسالت سے
ہے۔ اُس کو یاد کرنا اور اُن کی باتوں پر مواخذہ نہ کرنا اور جو روابط میں
نے اس مدت میں اُن سے محکم کئے ہیں۔ اُن کو قطع نہ کرنا اور ہرگز ہرگز
انہیں کوئی صدمہ نہ پہنچانا“

وصیت کے ایک ایک لفظ سے عقیدت ارادت اور خلوص ٹپکتا ہے۔
مگر شیعہ کہتے ہیں۔ یہ سیاسی چال تھی۔ مگر اُس کا کوئی ثبوت بھی ہے۔ بات
یہ ہے۔ کہ اُن بے چاروں کو ساون کے اندھے کی طرح ہر طرف تقیہ کی ہر باول
ہی نظر آتی ہے :-

۲-۳: تاریخ التواریخ ۶: ۱۱۱ پر لکھا ہے۔ کہ ایک بار امام حسین نے امیر معاویہؓ
کو سخت توہین آمیز خط لکھا۔ بلکہ کئی خط لکھے۔ تو بعض حاضرین نے امیر معاویہؓ

سے کہا۔ کہ آپ بھی سخت جواب دیں۔ مگر

”معاویہ بخندید گفت بخطا سخن کردید من در عیب حسین بن علی چه

سخن کنم و از مثل من کس روانیست از در باطل به عیب کسی سخن آغاز و

مردمان بہ تکذیب او پروازند و چگونہ عیب کنم حسین را سو گند با خدا درمے

موضع عیب بدست نشود خواستم بسوئے او مکتوب کنم و او را بہ وعید تہدید

بیم دہم رواندیدم و قد ع الباب لجاج نہ کردم و با بھمد سخننے کہ بر حسین

علیہ السلام ناگوار باشد تحریر نہ کرد۔“

”امیر معاویہ مسکرا دینے۔ اور فرمایا۔ کہ تم دونوں کا خیال غلط ہے۔ میں حسین

بن علی کا کیا عیب بیان کروں۔ مجھ جیسے آدمی کو یہ کب نہ بیا ہے۔ کہ کسی کو غلط

عیب جوئی کر کے لوگوں کو اس کی تکذیب کا موقعہ دوں۔ بخدا میں اُن میں کوئی

عیب نہیں پاتا۔ میرا خیال تھا۔ کہ انہیں تہدید آمیز خط لکھوں گا۔ مگر پھر اُسے

مناسب نہ سمجھا۔ حاصل کلام یہ کہ انہوں نے کوئی ایسی بات حضرت حسین کو نہ

لکھی۔ جو اُن کو ناگوار گزرے۔“

خاندان نبوت کے ساتھ جو مالی مروت امیر معاویہ کرتے ہیں۔ اُس کا بیان

گزشتہ باب میں ہو چکا ہے۔ یہ سب کچھ امیر معاویہ کی خاندان نبوت سے

عقیدت اُن کے احترام اور فراخ دلی کا نتیجہ ہے۔ مگر یار لوگوں نے اُس

میں بھی ایک پتخ لگا دی ہے۔ کہ آئمہ نے خلفائے ثلاثہ سے یا امیر معاویہ

سے جو مال لیا۔ یہ اُن کا حق تھا۔ حق تو میر تھا یا نہیں۔ اُس میں تو ایک اور

اُلجھن پیدا ہو رہی ہے۔ وہ یہ کہ شیعہ کا اتفاقی عقیدہ ہے۔ کہ بغیر امام

حق کے جہاد حرام ہے۔ لہذا خلفائے ثلاثہ یا امیر معاویہ نے حضرت حسن کو

تین لاکھ، پھر پچاس ہزار سالانہ خرچ دیا۔ دیگر آئمہ کو جو بیت المال سے

خرچ ملتا رہا۔ وہ جہاد کے ذریعے حاصل ہوا تھا۔ لہذا حرام تھا۔ تو کیا مال حرام میں بھی ائمہ کا حصہ ہوتا ہے۔ اور ان کا حق ہوتا ہے۔ اب اُس الجھن سے نکلنے کی صورت یہی ہے۔ کہ خلفائے ثلاثہ اور امیر معاویہؓ کو امام حق تسلیم کرو۔ یا اس امر کا اعتراف کر لو۔ کہ حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ و دیگر اہل بیت ساری عمر حرام ہی کھاتے رہے۔ اور حرام میں حصہ دار بنے رہے اور مال حرام میں ائمہ کا حق ہوا کرتا ہے۔

اہل بیتؑ کے ساتھ امیر معاویہؓ کا تعلق حسن سلوک معیت و احترام پر مبنی تھا۔ مگر ان کی بردباری، تمسک و عفو کا یہ عالم تھا۔ کہ شیعیان علیؑ کی بدتمیزیوں پر بھی درگزر فرمایا کرتے۔ اور مالی امداد نہ روکتے تھے۔

چنانچہ تاریخ التواریخ ۶: ۳۷ طبع قدیم ایران

شیعیان علیؑ سفر شام می کردند و معاویہؓ را بہ شفقت و شتم می آزارند۔ با این ہمہ عطائے خود را از بیت المال گرفتند و بہ سلامت می فرستند۔ «شیعیان علیؑ شام کا سفر کرتے اور حضرت امیر معاویہؓ کو برا بھلا کہتے اور ستاتے تھے۔ اُس کے باوجود بیت المال شاہی سے عطیے حاصل کرتے اور صحیح و سلامت واپس گھر پہنچتے۔»

جو شخص شیعیان علیؑ کی بدتمیزیوں، گالیوں اور کمینہ حرکتوں پر بھی عفو و درگزر سے کام لیتا ہو۔ بیت المال سے ان کی مدد بھی کرتا رہے۔ اُس کے متعلق کس کی عقل باور کر سکتی ہے۔ کہ وہ حضرت علیؑ کے خلاف سب و شتم کی مہم چلانا گوارا کرے۔ یہ سب خرافات تاریخی جھوٹ ہیں۔ جو قدیم یہودی سازش کے تحت اور یورپی ٹیکنیک کے مطابق بار بار بولے گئے۔ پورے وثوق سے بولے گئے۔ اور صبح و شام بولے گئے۔ حتیٰ کہ

یہ مسئلہ جھوٹ بھی سچ نظر آنے لگے۔

۶۔ امیر معاویہ پر چٹا الزام یہ ہے کہ انہوں نے عمار بن یاسر کے قتل

کا سبب بنا کر نبی کریم ﷺ کی حریمیت کا مصداق بنایا۔

حدیث نبویؐ اور اُس کی تحقیق :-

یا عمار، تقتلك فئة الباغية

الخ ۵

”اے عمار تجھے باغی گروہ قتل کرے گا۔ بعض نسخوں میں اُس کے ساتھ

یہ الفاظ بھی ہیں :-

”تَدْعُوهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ وَيَدْعُونَكَ إِلَى النَّارِ“

مگر اکثر نسخوں میں یہ الفاظ موجود نہیں :-

امام ابن تیمیہ میں اپنی کتاب منہاج السننہ ۱۲: ۲۷۳، طبع ریاض

اُس پر تفصیلی بحث کی ہے :-

۱۔ باغی کا لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک معنی میں کسی چیز کی

طلب کرنے والا امیر معاویہ پر یہ معنی اس لحاظ سے صادق آتے ہیں کہ

اپنے قصاص عثمان کا مطالبہ کیا تھا :- کہ مثلاً

بغيت الشيء أي طلبت الشيء

اکثر ما یحب ۵

”انہوں نے اُس سے پہلے بھی فتنہ و

فساد طلب کیا تھا۔“

(الف) قَالَ تَعَالَى لَقَدْ ابْتَغُوا الْفِتْنَةَ

مِنْ قَبْلُ ۵

”تم سے فتنہ طلب کرتے

ہیں۔“

(ب) قَالَ تَعَالَى يَبْغُونَكُمْ

الْفِتْنَةَ ۵

(ج) قَالَ تَعَالَىٰ يَغْيُوبَا غُورًا
عَادِ ۝
» نہ طلب کرنے والا اُس چیز کو جو
اُس کے لئے نہیں ہے۔ «

(د) قَالَ تَعَالَىٰ: اٰتِبْعَا رَحْمَةً
رَبِّكَ ۝
» اپنے رب کی رحمت طلب
کرنا۔ «

(ر) قَالَ تَعَالَىٰ: وَاتَّبِعَا وَجْدَ رَبِّهِ
الْاَعْلَىٰ ۝
» طالب ذات باری تعالیٰ
کا تھا۔ «

(س) ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبِيعُ ۝
» یہ وہ چیز ہے۔ کہ جس کے ہم
طالب تھے۔ «

۲۔ دوسرا معنی باغی بمضیٰ متکبر ہوتا ہے۔ جیسے ۱۔

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ
مُوسٰی فَبِغٰی اٰلِیْھِمْ ۝
» قارون۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام
کی قوم میں سے تھا۔ اُن پر اُس نے

متکبر کیا ۝

۳۔ بمعنی زنا اور فجوس بھی آتا ہے :- کہ

لَا تُكْرِهُوْا فِتْنًا یَّحْکُمُ عَلٰی
اٰتِبْعَا ۝
» اپنی لوظیوں کو زنا پر مجبور
مت کرو۔ «

۴۔ امام حق کے خلاف، خروج کرنے کے معنی میں آتا ہے :-

واقعات سے ثابت ہے۔ کہ حدیث میں آخری تین معنی مراد نہیں
ہو سکتے۔ بلکہ پہلے معنی ہی مراد ہیں۔ کہ دم عثمان کا قصاص طلب کرنے
والا۔ جنگ کی ابتداء تو خود حضرت علی رضی نے کی تھی۔

اگر باغی کے لفظ کو چوتھے معنی پر رکھنے پر اصرار ہو۔ تو اس حقیقت

پر بھی غور کرنا ہوگا۔ کہ :-

بغوت کا لفظ قید سے مُطلق ہو۔ تو اُس سے مراد خود قاتل ہوتا ہے۔
 امر مراد نہیں ہوتا ۛ

بل القاتل عند الاطلاق الذی | ”لفظ باغی مطلق ہو۔ جیسا حدیث میں
 قتله دون الذی امرک ۛ ہے۔ تو اُس سے مراد وہ ہوتا ہے کہ
 جس نے خود قتل کیا۔ نہ وہ جس نے حکم دیا۔“

لہذا اگر باغی کے لفظ سے خروج کنندہ کے معنی لے جائیں۔ تو مراد
 وہ شخص واحد ہوگا۔ جس نے عمار بن یاسر کو قتل کیا۔ ساری جماعت مراد
 نہیں ہو سکتی ۛ

حدیث میں فئۃ کا لفظ موجود ہے۔ تو اُس کی حقیقت یہ ہے۔ کہ باغی
 جماعت وہ تھی۔ جس نے حضرت عثمان امام حق کے خلاف خروج کیا۔ اور
 اُسے قتل کر کے حضرت علی رضی کی فوج میں مل گئی ۛ

چونکہ فعل کی نسبت، کبھی سبب فعل کی طرف کی جاتی ہے۔ اس لئے فئۃ
 الباغیہ سے مراد وہ گروہ ہے۔ جو حضرت علی رضی کی جماعت میں شامل
 تھا۔ مثلاً جیسے

اِنَّهُمْ اَضَلُّنَ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ ۛ

”اے خدا ان مبہتوں نے اکثر لوگوں کو گمراہ کیا۔“

ظاہر ہے۔ کہ بے جان پتھر کسی کو کیا گمراہ کر سکتا ہے۔ مگر چونکہ
 یہ بُت انسانوں کی گمراہی کا سبب بنے۔ اس لئے گمراہی کی نسبت ان کی
 طرف کی گئی۔

یہ تمام فتنے جو حضرت علی رضی اور حضرت امیر معاویہ کے درمیان
 اُٹھے۔ اُن سبب کا سبب یہی گروہ تھا۔ جو قتل عثمان کا مرتکب ہوا۔ یہی

گروہ وہ ہے۔ جس نے امام برحق کے خلافت خروج کیا۔ امام کو شہید کیا۔ پھر حضرت علی کی فوج میں شامل ہو کر مزید فتنوں کا باعث بنے حدیث میں جو فتنۃ الباعیۃ کا لفظ آیا ہے۔ اُس سے مراد یہی گروہ ہے۔ جنگ صفین کا سبب بھی یہی لوگ تھے۔ حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ کے قتل کا سبب بھی وہی ہوئے۔ اور عمار بن یاسر کے قتل کا سبب بھی یہی گروہ تھا جو حضرت علی کی فوج میں مل گیا تھا۔

الزام دھرنے والے اس حدیث سے ایک تو امیر معاویہ کو باغی ثابت کرنا چاہتے تھے۔ دوسرا اُن کے ایمان کی نفی۔ حالانکہ باغی کے لفظ کا اطلاق اُن معنوں میں امیر معاویہ پر اگر کیا بھی جائے۔ جو بیتان تراش چاہتے ہیں۔ تب بھی اُن کے ایمان کی نفی کا ثبوت اس حدیث سے نہیں مل سکتا۔ کیونکہ کتاب اللہ اُس کی تردید کرتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:-

وَان طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ أَحَدُهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيئَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاتَتْ فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ

”اگر اہل ایمان کی دو جماعتیں لڑ پڑیں۔ تو اُن میں صلح کرادو۔ اور اگر ایک جماعت دوسری جماعت پر زیادتی کرے۔ تو باغی جماعت سے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئیں۔ اگر لوٹ آئیں تو اُن کے درمیان عدل و انصاف سے صلح کرادو۔ اور

انصاف کرو۔ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ تو اپنے بھائیوں میں صلح کرادو۔“

اس آیت سے کئی امور ثابت ہوئے :-

۱۔ باغی ، کافر نہیں مومن ہے۔ بغاوت سے اخوت اسلامی قطع نہیں ہوتی :

۲۔ باغی سے جنگ کی ابتداء کرنا ناجائز ہے۔ اگر معاویہ کو باغی ہی کہا جائے۔ تو حضرت علیؓ نے قرآن کی مخالفت کی۔ کہ اُن سے جنگ کرنے میں پہل کی :

۳۔ حکم یہ ہے کہ اگر باغی پہلے جنگ کرے۔ تو صلح کراؤ۔ تو حضرت علیؓ کا فرض تھا۔ کہ جب امیر معاویہ اور قاتلین عثمان کے درمیان تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ تو قرآن کے حکم کے مطابق آپ اُن میں صلح کراتے :

اور صلح کی کوشش کا طریقہ یہ تھا۔ کہ قاتلین عثمان کو در ثاء مفتول کے سپرد کر دیتے۔ اگر ایسا کرنے کے بعد بھی وہ جماعت بغاوت پر ٹل جاتی۔ تو اُس وقت قرآن کے حکم کے مطابق اُن سے لڑنا جائز تھا۔ ۴۔ یہ جنگ اُس وقت تک جاری رکھنے کا حکم ہے۔ جب تک باغی جماعت اللہ کے حکم کی طرف لوٹ نہیں آتی۔ مگر حضرت علیؓ نے تو امیر معاویہؓ سے صلح کر لی۔ اُس وقت تک جنگ کو جاری نہ رکھا۔ جس کا قرآن حکم دیتا ہے۔ یہ بھی قرآن کے خلاف ہے :

۵۔ اگر امیر معاویہ باغی ہی تھے۔ تو حالت بغاوت میں قرآن کریم کی رو سے صلح کرنا حرام ہے۔ پھر صلح کیوں کی :

اب دُوبی راستے ہیں۔ یا تو امیر معاویہ کو باغی قرار دینے سے تو یہ کر کے انہیں کامل مومن تسلیم کر لیا جائے۔ یا حضرت علیؓ کو قرآن کا

مُخَالَفِ تَسْلِيمِ کر کے حرام کا مُرْتَكِب قرار دیا جائے۔ ہمارے لئے تو پہلی
صُورَتِ قَابِلِ قبول ہے۔ شیعہ کو اختیار ہے۔ جو صُورَتِ چاہیں۔ پسند کر
لیں۔ اللہ اُن کو ہدایت دے۔

امیر معاویہؓ اور حضرت حسنؓ کی صلح

حضرت حسنؓ کا حضرت امیر معاویہؓ سے صلح کرنے کا انکار تو نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ اُس صلح کو حضرت حسنؓ کی مجبوری اور امیر معاویہؓ کی زیادتی کا نام دیا جاسکتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس سلسلے میں حقیقت نفس اور لامری بیان کر دی جائے :

کیا صلح کا کوئی مجاہدہ ہوا یا نہیں ؟ اور ہوا تو کن شرائط پر۔ اُس کے جواب میں کتاب شیعہ سے چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں :-
(۱) شریف مرتضیٰ علم الہدیٰ کی کتاب ثانی کی تلخیص ابو جعفر طوسی نے کی۔ اُس کے صفحہ نمبر ۴۹۶ پر درج ہے :-

امّہ لا خلاف ان الحسن بايع معاوية وسلم الامر اليه و خلع نفسه و اخذ العطايا عنه ۛ
”اُس میں کوئی اختلاف نہیں حضرت حسنؓ نے امیر معاویہؓ کی بیعت کیا۔ خلافت اُن کے سپرد کی۔ خود خلافت سے دستبردار ہوئے۔ اور امیر معاویہؓ سے عطیہ جات اور تحائف حاصل کرتے رہے۔“

اُس اقتباس سے صرف اتنا ہی ثابت نہیں ہوتا کہ اُن دونوں کے درمیان ہوئی۔ بلکہ اس صلح کے نتیجے میں جن امور کا ذکر ہے۔ انہیں شرائط صلح کہئے۔ یا اور نام دیئے۔ بہر حال اُس کا نتیجہ یہ نکلا کہ

(الف) حضرت حسنؑ نے امیر معاویہؓ کو خلیفہ برحق تسلیم کر لیا :

(ب) آپ امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے :

(ج) آپ نے امیر معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کی :

(د) آپ نے امیر معاویہؓ سے تحائف اور عطیے حاصل کئے ۔

اس صورت حال سے ظاہر ہے ۔ کہ یہ صلح ہوئی ۔ اور نہایت دوستانہ

ماحول میں ہوئی :

۲۔ فتح الباری ۵۰: ۱۳ کا بیان بھی تائیداً یہی پیش کیا جاتا ہے ۔ کہ

سَلَّمَ الْحَسَنُ لِمُعَاوِيَةَ الْأَمِيرِ
وَبَايَعَهُ عَلَى إِقَامَةِ كِتَابِ اللَّهِ
وَسُنَّتِ نَبِيِّهِ ۝
”یعنی حضرت حسنؑ نے خلافت امیر
معاویہؓ کے حوالے کر دی ۔ اور
اُن کی بیعت کر لی ۔ اس شرط پر کہ

وہ کتاب اللہ اور سنت رسول کو قائم کریں گے ۔“

ظاہر ہے ۔ کہ حضرت حسنؑ کی تسلیم امر اور بیعت کے علاوہ یہاں شرائط

کا ذکر بھی ہے :

۳۔ مناقب شہر بن آشوب ۴: ۳۳ طبع قم ۔ میں قس سے پہلے صلیبی کی
کوشش کے سلسلے میں کچھ وضاحت کی گئی ہے :-

وَأَفْعَدَ إِلَى مُعَاوِيَةَ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ
الْحَارِثِ بْنِ نَوْفَلٍ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ
عَبْدِ الْمَطْلِبِ فَتَوَثَّقَ مِنْهُ لَتَا كَيْدِ
الْحِجَّةِ أَنْ يَعْمَلَ فِيهِمْ بِكِتَابِ اللَّهِ
وَسُنَّتِهِ نَبِيِّهِ وَالْأَمْرَ مِنْ بَعْدِهِ
شُورَى رِيَوْضِ إِلَى كَلِّ ذِي
”حضرت حسنؑ نے عبد اللہ کو
امیر معاویہؓ کی طرف بھیجا ۔ کہ اُن
سے پختہ وعدہ لے ۔ کہ لوگوں
پر کتاب اللہ و سنت رسول کے
احکام جاری کریں گے ۔ اور اس
کے بعد شوری سے کام لیں گے ۔“

حق حقہ ۵

اور ہر حق دار کو اس کا حق بھی
دیں گے۔

اس سے ظاہر ہے کہ حضرت حسنؑ اپنی آزاد مرضی سے خود صلح کے لئے
سلسلہ جنبا ئی کر رہے تھے۔ اور شرائط صلح کے
تیار ہے تھے :

۳۔ تہتمہ المنتہی۔ شیخ عباس قمی صفحہ نمبر ۳۰ پر اس صلح کے کچھ اثرات
درج ہیں :-

”پس معاویہ با امام حسنؑ جنگ کر دتا صلح واقع شد اس جملہ بیست سال
بود کہ امیر بود و بیست سال دیگر بالاستقلال خلیفہ بود۔ پس مدت چہل
سال امارت او طول کشید۔“

”امیر معاویہ اور امام حسنؑ کے درمیان جنگ ہوئی۔ یہاں تک کہ ان میں
صلح ہو گئی۔ امیر معاویہ ۲۰ برس امیر رہے۔ اور ۲۰ برس تک مستقل خلیفہ کی
حیثیت سے خلافت کی۔“

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس چالیس برس کے عرصے میں ان کے خلاف کوئی
آواز اٹھی کہ وہ ظالم ہیں۔ یا کسی کی حق تلفی کرتے ہیں۔ کوئی ہنگامہ ہوا۔ کوئی
جلوس نکلا۔ کوئی ایچی ٹیشن ہوئی۔ کچھ بھی نہیں۔ بلکہ اس کے برعکس حضرت
حسن دس برس تک امیر معاویہ سے عطیات حاصل کرتے رہے۔ اور ۲۰
برس تک حضرت حسینؑ ان سے مال اور تحائف لیتے رہے :

امیر معاویہ کی رعایا پروردی کا یہ عالم تھا کہ حضرت علیؑ اپنے دس شیعہ
دے کر امیر معاویہ سے ایک جانباز لینے کی آرزو کرتے رہے :

امیر معاویہ کی اس داد و پیش کا ایک نقشہ مولا باقرؑ مجلسی نے اپنی کتاب

جلال العیون صفحہ نمبر ۳۰۲ پر لکھنا ہے :-

” قطب راوندی نے جناب صادق سے روایت کی ہے۔ کہ ایک روز امام حسینؑ نے امام حسینؑ اور عبداللہ بن جعفر سے فرمایا۔ کہ خرچ معاویہ کی طرف سے پہلی تاریخ کو تمہیں پہنچے گا۔ جب پہلی تاریخ آئی۔ جس طرح حضرت نے فرمایا تھا۔ خرچ معاویہ کی طرف سے پہنچا۔ اور امام حسینؑ بہت ترسدار تھے۔ جو کچھ اُس نے مسرت کے لئے بھیجا تھا۔ اس سے اپنا قرض ادا کیا۔ اور باقی اہل بیت اور اپنے شیعوں میں تقسیم کیا۔ اور امام حسینؑ نے بھی اپنا قرض ادا کیا۔ اور جو باقی رہا۔ اُس کے تین حصے کئے۔ ایک حصہ اپنے اہل بیت اور شیعوں کو دیا۔ اور دو حصے اپنے عیال کے لئے بیچے۔ اور عبداللہ بن جعفر نے بھی اپنا قرض ادا کیا۔ اور جو باقی بچا۔ وہ معاویہ کے ملازم کو انعام میں دے دیا۔ اور جب یہ خبر معاویہ کو پہنچی۔ تو اُس نے عبداللہ بن جعفر کے لئے بہت مال بھیجا۔“

”ملا یا قر مجلسی کے اس بیان سے یہ ظاہر ہی ہے۔ کہ امیر معاویہؓ ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو اہل بیت کو کثیر مال بھیجا کرتے تھے۔ یہ اُسی صلح ہی کا نتیجہ تو تھا۔ مگر ایک نئی بات اس بیان سے ظاہر ہوتی ہے۔ کہ آئمہ کو اپنے کنبے کی پرورش کے علاوہ اُن مفت خور شیعوں کا بوجھ بھی تھا۔ جو خواہ مخواہ آئمہ کے سروں پر سوار تھے۔ اور ہر مہینہ کی پہلی تاریخ کو امیر معاویہؓ کی بخشش سے حصہ بھی لیتے۔ اور پھر اُسے گالیاں بھی دیتے۔“

۵۔ رجال کثی صفحہ نمبر ۷۲ پر بیعت کی وضاحت کی گئی ہے :- کہ

عن فضیل بن ارشد قال سمعت ابا

عبداللہ علیہ السلام یقول ان

معاویۃ کتب الی الحسن بن علی صلوات

” فضیل بن ارشد کہتا ہے۔ میں نے

امام جعفر سے سنا۔ وہ کہتے تھے

کہ معاویہؓ نے حضرت حسنؑ کو لکھا۔ کہ

اللہ علیہم ان اقدم انت والحسین
 واصحاب علی انھرج معہم قیس بن
 سعد بن عبادہ الانصاری فقد
 الشام فاذن لھم معاویۃ موا
 اعد لھم الخطباء فقال یا حسن
 قم نبایع فقام نبایع ثم قال
 للحسین قم نبایع فقام نبایع ۛ

آپ معہ حسینؑ واصحاب علیؑ میرے
 پاس شام آجائیں۔ پس وہ شام آگئے
 اور قیس بن سعد بن عبادہ انصاری
 بھی اُن کے ہمراہ آگیا۔ امیر معاویہؓ
 نے اُن کو اجازت دی۔ اور اُن کے
 استقبال کے لئے خلیب مقرر کئے
 پھر امیر معاویہؓ نے کہا۔ اے حسنؑ

اٹھو۔ اور میری بیعت کرو۔ حضرت حسنؑ نے بیعت کی۔ پھر حضرت حسینؑ کو
 کہا۔ اٹھو اور میری بیعت کرو۔ تو حضرت حسینؑ نے بھی بیعت کی۔

رجال کشتی کے اس بیان سے ظاہر ہے۔ کہ حسینؑ اور شیعان علیؑ شام میں گئے
 اور امیر معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر اس معاہدہ بیعت کو تباہاء ۱۰ برس
 حضرت حسنؑ و زلیفہ لیتے رہے۔ اور ۲۰ برس حضرت حسینؑ امیر معاویہؓ سے
 و زلیفہ لیتے رہے۔ نہ گلا، نہ شکوہ، نہ شور، نہ ہنگامہ، واقعی سلف و قادری
 کا یہی تقاضا تھا۔

یہ تو سب کچھ ہو گیا۔ مگر ہمارے بھوے بادشاہ شیعہ بھائی کہتے ہیں کہ اصل
 میں حسینؑ نے تقیہ کر کے بیعت کی تھی۔ ہمیں تو اُس کا علم نہیں۔ کیونکہ حسینؑ نے
 اُس کا کہیں اظہار نہیں کیا ہو سکتا ہے۔ شیعوں کو کان میں یہ راز بتا گئے ہوں
 مگر اُس سے تو کئی نئے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً:-

۱:- فعل امام بقول شیعہ محبت ہے۔ اسی لئے اُن کے شیعوں نے بھی امیر معاویہؓ
 کی بیعت کر لی۔ اور انہیں امام برحق تسلیم کر لیا۔ تو پھر آپؑ لوگ امام کی
 پیروی کیوں نہیں کرتے اگر آئمہ کی پیروی میں عام محسوس کرتے ہیں۔ تو

اُن شیعوں کی پیروی ہی کرو۔ جنہوں نے امیر معاویہؓ کو خلیفہ برحق تسلیم کر لیا۔ اور ہر پہلی تاریخ کو امام کے وظائف میں سے اپنا حصہ وصول کر لیا کرتے تھے۔

۲۔ اگر آئمہ نے تقیہ کر کے بیعت کی۔ تو اُس کا مطلب یہ ہوا۔ کہ امیر معاویہؓ کو انہوں نے غاصب یا ظالم سمجھا ہوا تھا۔ پھر تو سلطنت کی ساری آمدنی ہی حرام ہوئی۔ اور حضرت حسنؓ ۱۰ برس تک اور حضرت حسینؓ ۲۰ برس تک اُس حرام مال پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور اُس حرام نے اُن کا کچھ نہ بگاڑا۔ اور تقیہ واقعی ایسی ہی ٹانک ہے آپ لوگ اُسے کیوں استعمال نہیں کرتے۔ امیر معاویہؓ کو خلیفہ برحق تسلیم کر لو۔ آئمہ کی سنت پر عمل کرنے کا ثواب الگ اور تقیہ کا ثواب الگ جو ۹ حصہ دین ہے۔ ہم تو آپ کی خیر خواہی کی بنا پر کہتے ہیں۔ کہ یہ نہایت نفع بخش تجارت ہے۔ آپ لوگوں کے ذہن اُسے کیوں قبول نہیں کرتے۔ اور تقیہ کو ترک کر کے بے دینی کو کیوں گلے کا مار بنائے بیٹھے ہیں؟

۳۔ چلئے تقیہ کر کے بیعت کر لینا۔ تو مجبوری ہوئی۔ مگر مگر ہر تقیہ کر کے حرام کھانے میں کوئی مجبوری ہے۔ اگر یہ اصول درست ہے۔ تو حرام کا وجود ہی منقأ ہو جائے گا۔ بلکہ حرام کا لفظ ہی لغت سے خارج کرنا پڑے گا۔

(۶) مناقب شہرین آشوب میں صلح کی شرائط میں قیام کتاب و سنت کا ذکر ہے۔ مگر شیعہ کے ایک چوٹی کے عالم شیخ عباس قمی کی کتاب منہجی الاماں ۱: ۲۳۰ میں ذرا تفصیل دی گئی ہے:-

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

”صلح کرد حسن بن علی بن ابی طالب علیہ السلام با معاویہ بن ابی سفیان کہ معترضین اور نیکو بشرط آنکہ او عمل کند در میان مردم بکتاب اللہ و سنت رسول اللہ اور سیرت خلفائے ثلاثہ“

”صلح کی حسن بن علیؓ نے معاویہؓ بن ابی سفیان کے ساتھ کہ وہ جھگڑا نہیں کریں گے۔ بشرطیکہ معاویہ، مسلمانوں کے درمیان کتاب اللہ و سنت رسول اللہ اور سنت خلفائے راشدین کے مطابق فیصلہ کریں۔“

یہی امام حسنؓ نے تو ایک جملے سے دو مسئلے حل کر دیئے :-

۱:- انہوں نے امیر معاویہؓ کے سامنے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے ساتھ سنت خلفائے راشدین کی پیروی کی شرط بھی رکھ دی۔ ظاہر ہے کہ اگر سنت خلفائے راشدین وہی ہے۔ جو کتاب اللہ اور سنت رسول ہے۔ تو ان سے خدا واسطے کا بیر کیوں؟

۲:- امیر معاویہؓ کے سامنے یہ شرط رکھنا ظاہر کرتا ہے۔ کہ حضرت حسنؓ کے نزدیک سنت خلفائے راشدین بعینہ کتاب اللہ اور سنت رسول ہے۔

۳:- حضرت حسنؓ کے اس بیان کی حضرت علیؓ کے عمل سے تائید بھی ہوتی ہے۔ حضرت علیؓ نے عمر بھر خلفائے ثلاثہ کی کسی پالیسی میں ذرہ برابر تبدیلی نہیں کی۔ بفرض محال اگر خلفائے ثلاثہ کا طریقہ کتاب و سنت کے خلاف تھا۔ تو حضرت علیؓ کا فرض تھا۔ کہ اُسے بدل دیتے ورنہ وہ کتاب و سنت کی مخالفت کے جرم سے بچ نہیں سکتے۔ جب انہوں نے خلفائے ثلاثہ کے طریقے پر ہی حکومت کی۔ تو مہر لگا دی۔ کہ خلفائے ثلاثہ کا طریقہ کتاب

وسنت کے عین مطابق تھا :

۲-۴: کشف الغمہ ۲: ۱۹۶ پر ہے :-

ومن كلامه عليه السلام ما
كتبه في كتاب الصلح الذي استقر
بينه وبين معاوية حيث ١٤
حقن الدماء واطفاء الفتنة و
هو بسم الله الرحمن الرحيم
هذا ما صالح الحسن بن علي ابن
ابي طالب معاوية ابن ابي سفيان
صالح علي ان يسلم الامر اليه
ولاية امم المسلمين علي ان يعمل
فيهم بكتاب الله وسنته رسول
الله وسيرة خلفاء الراشدين
وليس لمعاوية بن ابي سفيان ان
يعهد الي احد من بعده عهداً
بل تكون الامر من بعده شوري
بين المسلمين ولما تم الصلح
التمس معاوية من الحسن عليه
السلام ان يتكلم بجمع من
الناس ويعلمهم انه بايع معاوية
وسلم الامر اليه فاجابه الي

”حضرت حسن کی کلام سے وہ تحریر
ہے۔ جو اس صلح کے وقت لکھی گئی
جو ان کے اور امیر معاویہ کے درمیان
ہوئی۔ جب آپ نے خون ریزی اور
فتنہ کو مٹانے کے لئے کی تھی۔ حسن
بن علیؓ نے معاویہؓ بن ابی سفیان
کے ساتھ ان شرائط پر صلح کی۔ کہ
حسن نے حکومت کا کاروبار اور
مسلمانوں کی امامت امیر معاویہؓ
کے سپرد کر دی۔ اور امیر معاویہؓ
عہد کرے۔ کہ وہ کتاب اللہ اور
سنت رسول اللہ اور سنت
خلفائے راشدین کے مطابق
حکومت کرے گا۔ اور امیر معاویہؓ
اس سلسلے میں کسی اور کے ساتھ
معاہدہ نہیں کرے گا۔ بلکہ حکومت
کا کام مسلمانوں کی شوریٰ کے
سپرد کرے گا۔ جب صلح مکمل ہو
گئی۔ تو امیر معاویہؓ نے حضرت حسنؓ

ذالک و خطبہ | سے درخواست کی۔ کہ آپ لوگوں کو خطاب کریں۔ اور بتائیں۔ کہ آپ نے میری بیعت کر لی ہے۔ اور خلافت میرے سپرد کر دی ہے۔ حضرت حسن نے اُس کے جواب میں عوام سے خطاب کیا۔

یہ بیان کشف الغمہ میں دیا گیا ہے۔ وہ دراصل منتهی الآمال کی تائید ہو رہی ہے۔ کہ ابھی اوپر گزر چکا ہے۔ اس میں یہ بات نئی ہے۔ کہ امیر معاویہؓ اُس کے بعد اونی الامر کے متعلق خود فیصلہ نہیں کریں گے۔ بلکہ یہ معاملہ مسلمانوں کی شوریٰ کے سپرد کر دیں گے۔ تو پھر امیر معاویہ نے اُس کی خلافت ورزی کر کے یزید کو خلیفہ کیوں مقرر کیا ؟

بات تو وزنی معلوم ہوتی ہے۔ مگر واقعات یہ بتاتے ہیں۔ کہ امیر معاویہؓ نے بیک وقت دو اماموں کی پیروی کی۔ اول انہوں نے حضرت علیؓ کی سنت پر عمل کیا۔ کہ اپنے بیٹے کو خلافت دی تھی۔ حالانکہ اُن سے پہلے کسی خلیفہ کا یہ عمل نہیں رہا۔ تو حضرت علیؓ کی سنت کی پیروی کرتے ہوئے امیر معاویہؓ نے بھی اپنے بیٹے کو خلیفہ بنا دیا۔

دوم حضرت حسنؓ نے اپنے والد کی سنت کے خلاف کرتے ہوئے نہ تو اپنی اولاد کو خلافت دی۔ نہ اپنے بھائی کو بلکہ امیر معاویہؓ کو دے دی۔ تو امیر معاویہؓ نے حضرت حسنؓ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے معاملہ صرف شوریٰ پر نہ چھوڑا۔ بلکہ اپنی رائے ظاہر کر کے اہل الرائے سے رائے لے لی۔ اور یزید کے حق میں بیعت خلافت ہو گئی۔ اگر اُسے عہد کی خلافت ورزی ہی کہیں۔ تو یہ عہد شکنی تو بڑی مبارک ہے۔ کہ اُس سے دو اماموں کی سنت زندہ کر دی گئی ؟

صلح تو ہو گئی۔ مگر مہمان اہل بیت اور شیعیان کرام کا رد عمل بھی بھلا
دینے کے قابل نہیں۔

۱۔ منہی الآمال، شیخ عباس قمی، ۱: ۲۲۸، شیعہ نے کہا:-
كفروا لله التَّجِلُّ | یعنی خدا کی قسم! یہ شخص
(امام حسن) کافر ہو گیا :-

”نجست کی ادائیں ملاحظہ ہو۔ امام ”معصوم“ کے متعلق ان کا محبوب شیعہ
فتوے دے رہا ہے۔ کہ امام کافر ہو گیا۔“

۲۔ ”ملعون از قبیلہ بنی اسد کہ اورا جراح بن سنان میگفتند ناگہاں
بیامد و لجام مرکب آں حضرت گرفت و گفت اے حسن کافر شدی
چنانکہ پدرت کافر شد“

”ذقبیلہ بنی اسد کا ایک ملعون جراح بن سنان آیا۔ حضرت حسن کے
گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔ اور کہا۔ اے حسن! تو کافر ہو گیا۔ جیسا کہ
تیرا باپ کافر ہو گیا تھا۔“

یہی یک نہ شد دوشد۔ محب اہل بیت نے فتویٰ دیا۔ کہ دوسرا
امام بھی کافر ہو گیا، جیسے پہلا امام کافر ہوا تھا۔ ملعون سہی۔ مگر
آخر تھا تو شیعہ اس نئے تقیہ کر کے محب اہل بیت بنا ہو گا۔ یا
تقیہ کر کے یہ فتوے دیا۔ اور اپنی جماعت کا رد عمل بتا گیا :-

۳۔ مناقب شہر بن آشوب ۲: ۳۳ پر ہے :-

تَقَالُوا لِلَّهِ يَرِيدُ أَنْ يَصْلَحَ | پس شیعوں نے کہا۔ کہ خدا
مَعَارِيَةً وَيَسْلُمُ الْأَمْرَ إِلَيْهِ كَقَد | کی قسم! امام حسن کا ارادہ ہے۔
وَاللَّهُ الرَّحِيلُ كَمَا كَفَرُوا بِهِ | کہ معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرے۔ اور

فَانْتَبِهُوا فسطاطہ

حتیٰ اخذوا مصللاً

من تحتہ ونزع مطوفہ عبدالرحمن

بن جعال و طعنہ جراح بن سنان

فی فخذہ ۵

حکومت اُس کو دے دے۔ خدا کی قسم

حسن کافر ہو گیا۔ جیسا کہ اُس کا باپ

کافر ہو گیا تھا۔ پھر انہوں نے امام

حسن کے خیمہ پر حملہ کر کے لٹس

پھا دی۔ اُن کے نیچے سے اُن کا مصلّا

گھسیٹ لیا۔ عبدالرحمن بن جعال نے اُن کی چادر چھین لی۔ اور جراح بن

سنان نے اُن کی ران پر نیزہ مار کے زخمی کر دیا۔

شیعہ بھائی واقعی بھولے بادشاہ ہی ہیں۔ اُن کا سارا کاروبار اُس

جذباتی نعرے کے بل بوتے پر چلتا ہے۔ کہ ہم محبان اہل بیت ہیں۔ اور

اس سارے ہنگامے کی رونق کا باعث یہی دعوے ہے۔ مگر کوئی بتائے

کہ کیا یہ محبت کی ادائیں ہیں۔ کہ

۱۔ اہل بیت کی محبت کے دعوے کے ساتھ ساتھ اہل بیت کو کافر

کہا جا رہا ہے ؟

۲۔ ایک طرف علی ولی اللہ دھمی رسول اللہ کے شور سے آسمان سر پر

اُٹھا رکھا ہے۔ دوسری طرف کہا جا رہا ہے۔ کہ علی کافر ہو گیا ؟

۳۔ محبوب کا گھر ٹوٹا جا رہا ہے۔ چادر چھینی جا رہی ہے۔ حملہ کیا جا

رہا ہے۔ نیزے چلائے جا رہے ہیں۔ زخمی کیا جا رہا ہے ؟

یہ سب کچھ کرنے کے باوجود محبت اہل بیت کے گیت لگائے جا

رہے ہیں ؟

ہے کوئی دانشور جو اس مہمہ کو حل کر سکے۔ ہے کوئی مؤرخ۔ جو یہ

بتا سکے۔ کہ تاریخ محبت میں کسی چاہنے والے نے اپنے محبوب کے

ساتھ وہ سلوک کیا ہو۔ جو شیعوں نے اماموں کے ساتھ کیا۔ ع
 وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب اُلٹا
 اب ذرا آئیں اپنے ”چاہنے والوں“ کی خدمات کا اعتراف کس انداز
 میں فرمایا ہے :-

۱۔ مناقب شہر بن آشوب ۴۲۳ پر ہے :-

ہادی اثنیٰ علیہ السلام قال	”امام حسنؑ نے فرمایا۔ اے اہل
یا اہل اہدق انما سخط علیکم	عراق، تم میں سے میں نے اپنی جان کو
بنفسی ثلاث قتلتکم ابی، و طعنکم	ہٹا لیا۔ اس کے تین وجوہ ہیں۔
ایا ی و انتصابکم متاعی ۵	تم نے میرے والد کو قتل کیا۔ دوسرا
تم نے میری ماں کو زخمی کیا۔ تیسرا تم نے میرا مال لوٹا۔“	

شیعہ بھائیو! واقعی تم محبت اہل بیت میں بے مثل اور لا جواب
 ہو۔ امام نے تمہیں سرٹیفیکیٹ دے دیئے۔ خدا کرے۔ قیامت
 میں تمہارے کام آجائیں :

پہلا سرٹیفیکیٹ یہ ہے۔ کہ میرے جان نثارو۔ تم نے میرے والد
 کو قتل کیا۔ دوسرا یہ ہے۔ کہ میرے جان نثارو! تم میری جان کے لاگو
 ہوئے۔ مجھے نیزے مار کر زخمی کیا۔ فرق رہ گیا۔ کہ تم میری جان نہ
 لے سکے۔ تیسرا یہ ہے۔ کہ میرے جان سپارو۔ تم نے میرا مال لوٹنے
 میں کوئی کسر نہ رہنے دی :

زندہ باد محبانِ اہل بیت! پائندہ باد۔ جان نثارانِ خاندانِ
 نبوت!

۲۔ جلاء العیون۔ مولا باقر مجلسی صفحہ نمبر ۳۲۳ پر ہے :-

”نذیر بن وہب جہنمی امام حسنؑ کے پاس آیا۔ اور کہا۔ اے ابن رسول! کیا مصلحت ہے۔ تحقیق لوگ اس کام میں متحیر ہیں۔ حضرت نے فرمایا۔ خدا کی قسم اس جماعت سے میرے لئے معاویہ بہتر ہے۔ کہ یہ لوگ دعوے کرتے ہیں۔ کہ ہم شیعہ ہیں۔ اور میرا ارادہ قتل کا کیا۔ میرا مال لوٹ لیا۔ بخدا اگر معاویہ سے میں عہد لوں۔ اور اپنا اس سے بہتر ہے۔ کہ یہ لوگ اور اپنے اہل و عیال میں بے خوف ہو جاؤں۔ اُس سے کہ یہ لوگ مجھے قتل کریں۔ اور میرے اہل و عیال اور میرے عزیز و قریب ضائع ہو جائیں۔ خدا کی قسم اگر میں معاویہ سے جنگ کروں۔ تو یہی لوگ مجھے اپنے ہاتھ سے پکڑا کے معاویہ کو دے دیں گے۔ خدا کی قسم اگر میں معاویہ سے صلح کروں۔ اور عزیز رہوں اس سے بہتر ہے۔ کہ اس کے ہاتھ میں آ جاؤں۔ اور مجھے بذلت و خواری قتل کرے یا مجھ پر احسان کر کے چھوڑ دے۔“

محبت کی عمل داری دیکھئے۔ ”امام معصوم“ نے صلح کی۔ اور لوگ متحیر ہیں۔ کیوں؟ کیا وہ لوگ جو اپنے کو شیعہ کہتے ہیں۔ اپنے امام سے زیادہ معاملہ فہم ہیں۔؟ اگر ایسی بات ہے۔ تو اس امام سے انہیں کیا لینا ہے۔ شیعیت کی ہمت کو گلے کا بار بنا رکھا ہے۔

امام کو اپنے شیعوں سے اتنا خطرہ ہے۔ کہ جان محفوظ ہے نہ مال۔ یہ سلوک تو نذیر نے بھی اہل بیت سے نہیں کیا تھا۔“

شیعوں کو اپنے امام سے وفاداری کا یہ حال ہے۔ کہ امام کو یقین ہے۔ کہ اُن کو موقع ہاتھ آئے۔ تو امام کو پکڑا کر دشمن کے حوالے کر دیں۔

امام کو معاویہ کے ہاتھوں قتل ہونا بھی پسند ہے۔ اور اپنے اُن
شیعوں سے کس طرح جان چھڑانا چاہتے ہیں ؟

ایسی انوکھی محبت دُنیا میں کسی نے کم ہی دیکھی ہوگی۔

۳۔: مُجان اہل بیت نے ابوالائمہ حضرت علیؑ سے جو سلوک کیا۔ ملاحظہ
ہو۔ جلاء العیون صفحہ نمبر ۳۲۶ پر ہے۔

”جب امیر المؤمنین سے بیعت کی۔ پھر اُن سے بیعت شکستہ کی۔ اور

شمشیر اُن پر کھینچی اور امیر المؤمنین ہمیشہ اُن سے بمقام مجادلہ و

محاربہ تھے۔ اور اُن سے آزاد اور مشقت پاتے تھے۔ یہاں تک کہ اُن

کو شہید کیا۔ اور اُن کے فرزند امام حسنؑ سے بیعت کی۔ اور بعد

بیعت کرنے ان سے غدر کیا۔ اور مکر کیا۔ اور چاہا۔ کہ انہیں دشمن

کو دے دیں۔ اپنی عراق سامنے آئے۔ اور خیمہ اُن کے پہلو پر لگایا۔

اور خیمہ اُن کا ٹوٹ لیا۔ یہاں تک کہ اُن کی کینز کے ٹکڑے تک اُتار

لئے۔ اور اُن کو پریشان کیا۔ تا آنکہ انہوں نے معاویہ سے صلح کر

لی۔ اور اپنے اہل و عیال و اہل بیت کے خون کی حفاظت کی۔ اور ان

کے اہل بیت بہت کم تھے۔ پس ۲۰ ہزار مردم عراقی نے امام حسینؑ سے

بیعت کی۔ اور جنہوں نے بیعت کی تھی۔ خود انہوں نے شمشیر امام حسینؑ

پر کھینچی۔ اور ہنوز بیعت ہائے امام حسینؑ کی گردنوں میں تھی۔ کہ امام

کو شہید کیا۔ اور بعد اُن کے ہمیشہ ہم اہل بیت پر ستم کئے۔ ہم کو

ذلیل کیا۔ ہمارے حق سے ہم کو دُور کیا۔ اور اموال سے محروم کیا ہمارے

مارنے میں کوشش کی اور خائف و ترسان رکھا۔ ہم اپنے خون اور اپنے

دوستوں کے خون پر ایمن نہ تھے۔ اُن جھوٹوں نے ہم کو محل دروغ و

انکار قرار دے دیا۔ اور ہم پر دروغ و افترا باندھنے میں اپنے قاضیوں اور والیوں اور حاکموں اور ہر شہر و دیار والوں سے تقرب حاصل کیا۔ اور ہماری ضرر رسانی کے لئے حدیثیں وضع کیں۔ اور جھوٹے بائق ہم پر باندھیں کہ ہم نے نہ کہی تھیں۔ اور چند کام ہم سے ایسے منسوب کئے۔ جو ہم نے نہ کئے تھے۔ یہاں تک کہ لوگوں کو ہمارا دشمن بنا دیا۔“

یہ طویل روایت جلاء العیون میں امام باقر سے منقول ہے۔ کہ یوں سمجھئے۔ کہ تین امام مدعی ہیں۔ ایک گواہ ہے اور دوسری اماموں کا اپنے شیعوں کے خلاف ہے :

۱۔ : شیعوں نے ہمیشہ حضرت علیؑ کو پریشان کئے رکھا۔ آخر عبدالرحمن بن ملجم نے حضرت علیؑ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر حضرت کو قتل کیا۔ اب شیعہ اپنے جرم کو چھپانے کے لئے کہتے ہیں۔ وہ تو خارجی تھا۔ خارجیوں میں تقیہ نہیں۔ وہ تو کفر پر بھی اڑے تو ڈٹ گئے۔ یہ کام شیعہ ہی کا ہے :

۲۔ : شیعوں نے پہلے امام حضرت علیؑ کو ٹھکانے لگانے کے بعد اُنکے بیٹے حضرت حسنؑ کے ساتھ محبت کا رشتہ استوار کرنا شروع کیا۔ جنہوں نے حضرت حسنؑ سے بیعت کی تھی۔ انہوں نے امام حسنؑ کو زخمی کیا، مال لوٹا اور قتل کے درپے ہوئے :

۳۔ : مولا باقر نے تو یہاں ایک اور مقدمہ بھی حل کر دیا۔ کہ امام حسنؑ نے امیر معاویہؓ سے صلح کیوں کی۔ انہیں شیعوں سے اپنی جان مال عزت و آبرو عزیز و اقارب کا خطرہ تھا۔ اُن ساری چیزوں کی حفاظت کے لئے امام حسنؑ نے امیر معاویہؓ کو موزوں ترین

آدمی سمجھا۔ اور واقعی امیر معاویہؓ نے ثابت کر دکھایا۔ کہ وہ حضرت امام
حسنؑ کی جان و مال، عزت و آبرو کے محافظ ہیں۔ اب یہ فیصلہ کرتا ہر
سوچنے والے آدمی کا اپنا کام ہے۔ کہ حضرت حسنؑ کے جانی دشمن تھے۔
یا امیر معاویہؓ تھے۔ یہ تو وہی بات ہوئی۔ کہ ہوشیار پُچوری کر کے شور کرنے
کی آواز میں آواز ملا کر چور چور کہنا شروع کر دے :

امام باقرؑ نے تصدیق کر دی۔ کہ امام حسنؑ نے اِسلام کیا۔ ائمہ
کے بدترین دشمن یہ شیعہ لوگ ہیں :

۴:- جن شیعوں نے امام حسینؑ سے بیعت کی۔ انہوں نے ہی امام کو
شہید کیا۔ یعنی امام باقرؑ کا بیان ہے۔ کہ تین اماموں کو شیعوں
نے شہید کیا :

۵:- امام باقرؑ کا بیان ہے۔ کہ شیعہ دھوکہ باز، مکار اور فریبی ہیں۔
ائمہ کے خلاف بہتان تراشی اور افتراء پر داندی، شیعوں کا
محبوب مشغلہ ہے :

۶:- ائمہ کی جان، مال، آبرو تو ایک طرف شیعوں نے ائمہ کے دین
کو بگاڑنے کی مہم بھی ہمیشہ چلائے رکھی۔ حدیثیں وضع کیں اماموں
سے جھوٹی باتیں منسوب کیں :

امام باقرؑ نے تو ایک اور عقیدہ حل کر دیا۔ کہ امام سے ایک ملاقات
کر کے ستر ہزار حدیثیں پڑھ لینے کا دعویٰ اس بات کا آئینہ دار ہے
کہ شیعوں نے حدیثیں وضع کرنے کا کاروبار تھوک کے حساب سے
شروع کر رکھا تھا۔ یہ صیابہ کھرام کے خلاف حدیثوں کی بھرمار اسی
تھوک کا رو بار کا اصل سٹاک ہے :

اسی جلاء العیون میں ملاء باقر مجلسی نے شیعوں کی اس لوٹ مار کے
مقابلے میں امیر معاویہؓ کا طرز عمل بھی کہیں کہیں بیان کر دیا ہے۔
چنانچہ جلاء العیون صفحہ نمبر ۲۹۷ پر ہے :-

» ایک بار امام حسنؓ شام گئے۔ حضرت امیر معاویہؓ کے پاس کہیں
سے مال خراج آیا تھا۔ کثیر التعداد میں۔ اس تمام مال کو اٹھا کر حضرت
معاویہؓ نے امام حسنؓ کو دے دیا۔ اور بڑا اعزاز و اکرام کیا۔ «

پھر اسی جلاء العیون صفحہ نمبر ۲۹۸ پر ہے :- کہ
» امیر معاویہؓ ایک بار مدینہ منورہ گئے۔ اور مجلس عام میں بیٹھ کر تمام
اشراف مدینہ کو پانچ پانچ ہزار دیا۔ کسی کو زیادہ بھی دیا۔ حسب
مراتب تقسیم کیا۔ اُس کے بعد امام حسنؓ آئے۔ تو جتنا مال تمام لوگوں
کو تقسیم کیا تھا۔ اتنا امام حسنؓ کو دیا۔ «

کتنا بڑا المیہ ہے۔ کہ اماموں کا مال لوٹنے والے شور مچاتے ہیں مالی و
دولت سے اماموں کی جھولیاں بھرنے والا۔ اور اماموں کی جان و مال
کا محافظ اماموں کا دشمن ہے۔ سہ

دیتے ہیں طعنہٴ اصنام پرستی ہم کو !
سجدہ کرتے ہوئے نکلے ہیں جوت خانے سے

پنجابی میں ایک بول ہے ۔ ع

ماہیا نہیں مکرا ایہ لتیں کہانی اے

اسی طرح اماموں کے ساتھ اور اہل بیت کے ساتھ شیعوں کی
محبت کی داستان تو اتنی طویل ہے۔ کہ اُس کی تلخیص کے لئے کئی
دفتر درکار ہیں۔ ہم نے نمونے کے طور پر چند مثالیں پیش کر دی

ہیں۔ جن سے ظاہر ہے۔ کہ امام تو قدم قدم پر وہائی دے رہے ہیں۔
 کہ ہمیں عاشقوں سے بچاؤ۔ جو ہماری جان کے لاگو ہیں۔ ہمارے
 مال کے ڈاکو ہیں۔ ہماری رسوائی کے درپے ہیں۔ ہمارے مذہب
 کو بگاڑنے اور ہمیں بدنام کرنے پر اُٹھ کھائے بیٹھے ہیں۔ اور ستم
 بالائے ستم یہ کہ شیعہ چلا چلا کر شور مچا رہے ہیں۔ کہ امیر معاویہؓ
 ظالم ہے۔ اور امام اعلان پر اعلان کر رہے ہیں۔ کہ دوستی کا دم
 بھرنے والوں کے مقابلے میں ہمیں یہ دشمن زیادہ عزیز ہے۔ گویا کہہ
 رہے ہیں:-

” ہمیں ہمارے دوستوں سے بچاؤ۔ “

سیرتِ امیر معاویہؓ ایک نظر میں

حضرت معاویہؓ کی زندگی کے قریباً تمام پہلوؤں کا اجمالی جائزہ پیش کر دیا ہے۔ اُن گہبائے رنگارنگ کو ایک گلدستہ کی صورت میں پیش کیا جائے۔ تو وہ کچھ اس طرح بنتا ہے :

۱۔ ایمان امیر معاویہؓ :- حضرت علیؓ نے اعلانِ عام کے ذریعے واضح فرما دیا۔ میرا اور امیر معاویہؓ کا ایمان برابر ہے۔ نہ میرا ایمان اُن سے زیادہ ہے اور اُن کا ایمان مجھ سے بڑھا ہوا ہے۔ لہذا امیر معاویہؓ کے ایمان میں شبہ کرنا دراصل حضرت علیؓ کے ایمان کے متعلق شک کا اظہار ہے :

۲۔ امیر معاویہؓ اور عبادتِ الہی :- جہاں تک آپؐ کی شخصی سیرت کے اس پہلو کا تعلق جو بندے اور خدا کے درمیان ہے شیوہ کتب میں اُس کی شہادت موجود ہے۔ کہ آپؐ بڑے عبادت گزار تھے۔

منتی الآمال شیخ عباس قمی ۲۲۸۶۱ پر امیر معاویہؓ کا نساخہ کا پابند ہونا۔ جمعہ کا خطبہ دینا، حج کرنا، صاف طور پر مذکور ہے۔ اور جلاء العیون صفحہ نمبر ۲۳۲ پر ذکر ہے۔ کہ امیر معاویہؓ ہی بہرِ خوان تھے

۳۔ امیر معاویہؓ اور محبتِ رسولؐ :- آپؐ کو حضور اکرمؐ سے قلبی محبت تھی۔ اور حضورؐ کو امیر معاویہؓ کی امانت و دیانت اور وفاداری پر

اعتماد تھا۔ جیسی تو بحکم خدا امیر معاویہؓ کو کاتبِ اَلوحی مقرر فرمایا۔
 شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے اپنی مشہور کتاب عوارف المعارف
 میں لکھا ہے۔ کہ حضور اکرمؐ نے ایک دفعہ خوش ہو کر کعبہؓ بن زبیر شاعر
 کو اپنی چادر مرمت فرمائی۔ امیر معاویہؓ کو معلوم ہوا۔ کہ حضرت کعبہؓ کے
 پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک ہے۔ تو امیر معاویہؓ نے
 دس ہزار روپیہ پیش کیا۔ کہ چادر مجھے دے دیں۔ حضرت کعبہؓ نے
 فرمایا :-

ما كنت لادش بשוב رسول | یعنی جہاں تک حضورؐ کی چادر کا
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احداً۔ | تعلق ہے۔ میں کسی کو اپنی ذات
 پر ترجیح نہیں دیتا :-

جب حضرت کعبہؓ فوت ہو گئے۔ تو امیر معاویہؓ نے اُن کی اولاد
 سے ۲۰ ہزار روپیہ کے عوض وہ چادر حاصل کر لی۔ اور اُسے کفن
 میں رکھا تھا :-

بعض بھولے بادشاہ کہہ دیتے ہیں۔ کہ چادر سے کیا ہوتا ہے۔
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو عبد اللہ بن ابی کو اپنا کر نہ کفن میں
 دیا تھا۔ بے چارے یہ لوگ حافظے کے ذرا کمزور ہوتے ہیں۔ حضورؐ
 کی چادر میں اگر کچھ نہ ہوتا۔ تو ایک دفعہ اوڑھنے سے وہ لوگ اہل بیت
 بن گئے۔ جو دراصل اہل بیت نہیں تھے۔ تو کیا حضورؐ کی چادر میں
 برکت بس اتنی ہی تھی۔ جو اہل بیت بنانے میں خرچ ہو گئی :-
 دوسری بات یہ ہے۔ کہ حضورؐ کی عادت مبارک تھی۔ کہ کسی کے
 احسان کا بدلہ دیئے بغیر نہ رہتے تھے۔ عبد اللہ بن ابی نے یوم بدر میں

حضرت عباسؓ کو گرتہ دیا تھا۔ تو حضورؐ نے اپنے چچا کے ساتھ اُس کے احسان کا بدلہ چکا دیا ۛ

پھر یہ ہے۔ کہ عبداللہ بن ابی نے طلب کب کیا تھا۔ کہ اُس کی طرف سے محبت رسولؐ کا اظہار تصور ہوتا۔ اُس سے تو حضورؐ کی رحمت اور ذرہ نوازی کا ثبوت ملتا ہے۔ نہ کہ عبداللہ کی محبت کا ۛ

اسی طرح امیر معاویہؓ نے تین ہزار روپیہ دے کر حضورؐ کے ناخن حاصل کئے تھے۔ اور وصیت کی تھی۔ کہ کفن پہنانے کے بعد میری آنکھوں میں یہ ناخن رکھ دینا ۛ

۴۔ امیر معاویہؓ اور خاندان نبوت ۱۔ امیر معاویہؓ نے اپنی پوری زندگی میں خاندان نبوت کے ساتھ عقیدت، محبت، خدمت اور احسان کا سلوک کیا۔ چنانچہ ملا باقر مجلسی کی حق الیقین کے اردو ترجمہ تحقیق امتین صفحہ نمبر ۲، ۳ پر ذکر ہے۔ کہ ”اسی طرح معاویہؓ بھی باوجودیکہ اُس کے کاموں کی تمام بنافساد اور عناد پر تھی۔ (یہ شیعیت کے کرشمے ہیں) فضیلت و مناقب، اُن حضرت کا انکار نہ کرتا تھا اور قتل عثمانؓ نہیں شریک ہونے کے سواء اور کوئی فسق حضرت سے منسوب نہ کرتا تھا۔ بلکہ وہ اُسی پر قانع تھا۔ کہ حضرت امیر اس کی امارت برقرار رکھیں۔ اور حضرت کی بیعت کر کے حضرت کی خلافت کا اقرار کرے۔ لوگ اس کے سامنے حضرت کے مناقب و فضائل بیان کرتے تھے۔ اور وہ انکار نہ کرتا تھا۔“

تبلی بغض اور مذہبی تعصب کے باوجود ملا باقر مجلسی اس حقیقت کے اظہار پر مجبور ہو گیا۔ کہ امیر معاویہؓ حضرت علیؓ سے

عقیدت رکھتے تھے۔ اُن کی فضیلت کے معترف تھے۔ اختلاف تھا۔
تو صرف قصاص عثمانؓ کے مسئلے میں :

۵:- حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو کبھی کبھی ایک ہی موقع پر ہزاروں
روپے دیئے۔ اور حضرت حسنؓ کو دس برس تک اور حضرت حسینؓ کو
بیس برس تک ماہانہ وظیفہ دیتے رہے۔ اور حسنینؓ اور عبید اللہ
بن جعفر کو ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو وظیفہ کی رقم باقاعدگی سے
پہنچا دیا کرتے تھے :

۶:- حضرت حسنؓ نے اپنی آزاد مرضی سے امیر معاویہؓ کے حق میں
خلافت سے دستبردار ہونا پسند فرمایا۔ امام کا یہ فعل جہاں اس
امر کا ثبوت ہے۔ کہ امام کو حضرت امیر معاویہؓ کی دیانت، امانت
تماہلیت و بنداری اور حق پرستی پر اہتمام تھا۔ وہاں یہ فعل
بقول شیعہ امیر معاویہؓ کی منصوصی خلافت ثابت کرتا ہے :

۷:- حسنینؓ نے امیر معاویہؓ کے ہاتھ پر بخوشی بیعت کی۔ یعنی آپ
نے امیر کو اپنا پیشوا، خلیفہ وقت یا یوں سمجھو۔ کہ اپنا مرشد تسلیم
کیا۔ اور حسنینؓ نے اعلان کر دیا۔ کہ امیر معاویہؓ خلیفہ برحق ہے
اور اس بات کی تردید ہے۔ کہ امیر معاویہؓ باغی تھے۔ کیونکہ
ایسا سمجھنے کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ حضرت حسنؓ کو اس جرم کا مرتکب
تسلیم کیا جائے۔ کہ انہوں نے ایک باغی کو خلافت سونپ دی
اور خود اس کے ہاتھ پر بیعت کی :

۸:- امیر معاویہؓ کا اپنے پیرزید کو خلیفہ بنانا دراصل دو اماموں یعنی
حضرت علیؓ اور حضرت حسنؓ کی سنت پر عمل کرنا ہے۔ تفصیل گزر

چکی ہے :

۹-۱۰: یزید کے متعلق جو عیب بیان کئے جاتے ہیں۔ اُس وقت اُس میں موجود نہیں تھے۔ جب اُسے خلیفہ بنایا گیا۔ جیسا کہ محمد بن الحنفیہ کی عینی شہادت سے واضح ہے :

۱۰-۱: امیر معاویہؓ پر یہ بہتان صرف بہتان ہے۔ کہ انہوں نے حضرت علیؓ پر لعن طعن کرنے کا حکم دے رکھا تھا معاملہ اُس کے برعکس ہے۔ کہ شیعان علی نے امیر معاویہؓ پر لعن طعن کی ابتداء کی۔ اور حضرت علیؓ امیر معاویہؓ کے فضائل بیان کر کے ان لوگوں کو باز رکھنے کی کوشش کی۔ اور یہ ثابت ہو چکا ہے۔ کہ قرعین پر لعن حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ پر سب دشتم کی تہمت تادیبی تھی جھوٹ ہے :

۱۱-۲: محبان اہل بیت کو ائمہ نے اس حیثیت سے روشناس کرایا۔ جو اُن کا اصلی رنگ ہے۔ یعنی امام باقر نے بیان کیا۔ کہ

(الف) حضرت علیؓ کو شیعوں نے شہید کیا :

(ب) حضرت حسنؓ کو اور حضرت علیؓ کو شیعوں نے قاتل کیا :

(ج) حضرت حسینؓ کو عاں لوٹا، حملہ کر کے زخمی کیا :

(د) حضرت حسینؓ کو شیعوں نے قتل کیا :

۱۱-۳: جب نقابل کا موقع آیا تو حضرت علیؓ نے اپنے دشمن شیعوں سے

کہ امیر معاویہؓ کے ایک آدمی کے لیے کی آرزو کی :

۱۲-۱: حضرت حسنؓ نے دہائی دی۔ کہ شیعوں سے نہ میری جان محفوظ

ہے۔ نہ مال، نہ آبرو۔ اس لئے اس متاع عزیز کی حفاظت کے لئے

میری نگاہ امیر معاویہؓ پر پڑی ہے۔ امیر معاویہؓ میری جان، مال

کنہ، عزت و آبرو کے محافظ ہیں۔ مجھے اُن شیعوں سے وہی نجات
دلا سکتے ہیں :

۱۴۔ قرآن مجید نے امیر معاویہؓ کی فضیلت بیان کر کے وکلاء و عد
اللہ الحسنیٰ کی ضمانت دے دی ہے۔

۱۵۔ احادیث رسولؐ نے امیر معاویہؓ کی فضیلت، دیانت اور حق
پرستی پر مہر ثبت کر دی ہے :

اُن حقائق کے باوجود بھی اگر کوئی شخص امیر معاویہؓ کے حق میں بدگوئی
سے باز نہ آئے۔ تو خدا کے سامنے اور اُس کے رسولؐ کی موجودگی میں
جواب دہی کے لئے تیار رہے۔ جنہوں نے امیر معاویہؓ کے ایمان دیانت
اور اخروی درجات پر مہر ثبت کر دی ہے۔ حیرت ہے کہ وہ لوگ کس
منہ سے امیر معاویہؓ کی شان میں اول حول بکتے ہیں۔ جن کو آٹھ نے دھوکا
باز، مکار، فریبی، اماموں کے قاتل، اماموں کا مال لوٹنے والے، اور
ڈاکو قرار دیا ہے۔

جفا میں بھی، فریب بھی ہیں نمود بھی ہے سنگھار بھی ہے !
اور اس پر دعوائے حق پرستی اور اس پر پاں اعتبار بھی ہے